

بموقع تحفظ سنت کانفرنس

زیر اہتمام جمعیۃ علماء ہند

طلاق ثلاث

صحیح مآخذ کی روشنی میں

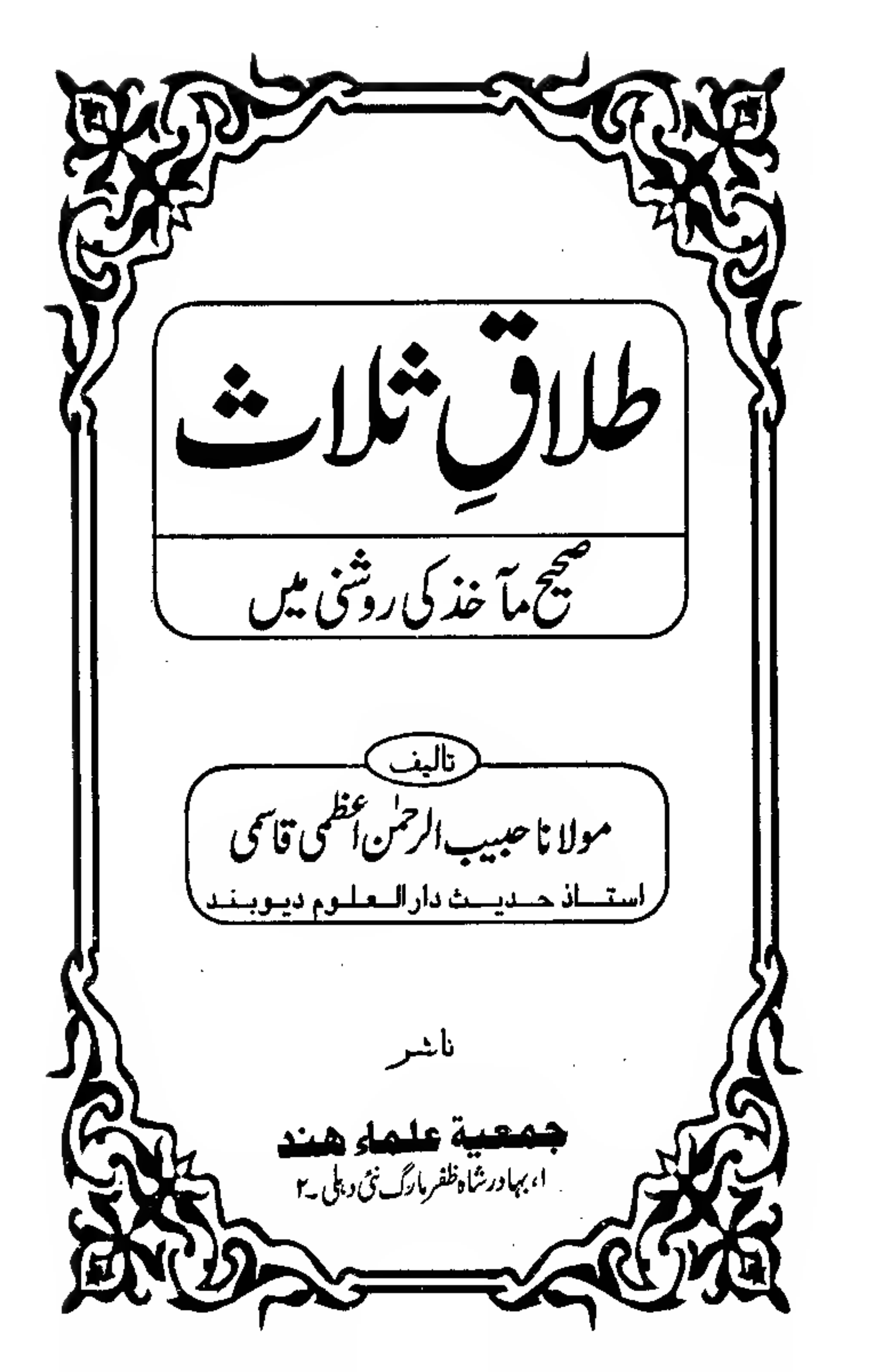
تالیف

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

استاذ دار العلوم دیوبند

شائع کردہ

جمعیۃ علماء ہند بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی



طلاقِ ثلاث

صحیح مآخذ کی روشنی میں

تالیف

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی قاسمی

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

ناشر

جمعیۃ علماء ہند

۱، بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی۔۲

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبہ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین. امابعد!

اسلام دین فطرت اور ایک جامع نظام زندگی ہے جو راستی وسچائی کا آخری بیان ہونے کی بناپر کسی ترمیم وتبدیلی کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اس کی تعلیمات میں ایک طرف صلابت وقطعیت ہے تو دوسری طرف وہ اپنے اندر بے کراں جامعیت اور ہمہ گیری لیے ہوئے ہے۔ جس میں ہردم رواں پیہم دواں زندگی کے مسائل کے حل کی بھرپور صلاحیت ہے۔

قرآن حکیم جو خدائے لم یزل کا ابدی فرمان ہدایت ہے اصول وکلیات سے بحث کرتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان وحی ترجمان سے ان اصول وکلیات کی تشریح وتوضیح فرمائی ہے اور اپنے معصوم عمل سے ان کی تطبیق وتنفیذ کا مثالی نمونہ پیش کیا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین عظام، ائمہ مجتہدین، اور سلف صالحین قانون اسلامی کے انھیں دونوں ماخذوں یعنی کتاب وسنت کی روشنی میں اجماع واجتہاد کے ذریعہ اپنے اپنے دور میں پیش آمدہ مسائل وحوادث کا حل امت کے سامنے پیش کرتے رہے جس کا سلسلہ علماء حق کے ذریعہ کسی نہ کسی حد تک آج بھی جاری ہے۔

مغربی تہذیب جس کی بنیاد ہی اباحیت اور مذہبی واخلاقی قدروں کی پامالی پر ہے بدقسمتی سے آج پوری دنیا پر حاوی ہے۔ جس سے ہمارا ملک بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ مغربی تہذیب کی اسی اباحیت پسندی کی بناپر آج کل بے ضرورت مسائل کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اور ملک کا روشن خیال طبقہ جو نہ صرف مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے بلکہ اس کا ترجمان ونمائندہ

بھی ہے۔ ان بے ضرورت مسائل کو اٹھاتا رہتا ہے حتی کہ ایسے مسائل جو عہدہ صحابہ میں اجماعی طور پر طے پاچکے ہیں ان میں بھی تشکیک والتباس اور شکوک وشبہات ظاہر کرکے (جس کی انھیں بطور خاص تعلیم دی گئی ہے) ان کے لیے علماء سے من چاہے فتویٰ وفیصلہ کا ناروا مطالبہ کرتا رہتا ہے۔

مزید براں عربی زبان وادب، قرآن وحدیث اور ان سے متعلق ضروری علوم سے واجبی واقفیت کے بغیر یہ طبقہ دینی وشرعی مسائل میں اجتہاد کے فرائض انجام دینے کے خبط میں بھی مبتلا ہے۔ اور کوشاں ہے کہ ائمہ مجتہدین وسلف صالحین کی بے لوث جدوجہد کے ثمرات اور ان کی مخلصانہ کاوش سے حاصل شدہ متاع گراں مایہ جو مختلف مذاہب فقہ کی شکل میں امت کے پاس موجود ہے اسے نذر آتش کرکے از سر نو مسائل کے حل تلاش کئے جائیں چنانچہ ''طلاق ثلاث'' کا مسئلہ اس کی زندہ مثال ہے جو آج کل ہمارے ان روشن خیال دانشوروں کی اجتہاد پسند اور اباحیت نواز فکر ونظر سے گزر کر زبان وقلم کا ہدف بنا ہوا ہے۔ اور عورتوں کی مفروضہ مظلومیت کا نام لے کر اسلام اور علماء اسلام کو دل کھول کر طعن وتشنیع کا نشانہ بنارہا ہے اور ایک ایسا مسئلہ جو چودہ سو برس پہلے طے پاچکا ہے جسے تمام صحابہؓ، جمہور تابعین، تبع تابعین، اکثر محدثین، فقہاء مجتہدین، بالخصوص ائمہ اربعہ اور امت کے سواد اعظم کی سند قبولیت حاصل ہے جس کی پشت پر قرآن محکم اور نبی مرسل کی احادیث قویہ ہیں۔ اس کے خلاف آواز اٹھاکر اور عامۃ المسلمین کو اس کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا کرکے یہ اسلام کے نادان دوست اسلام کی کونسی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ان لوگوں کو قطعاً اس کی پرواہ نہیں ہے کہ ان کے اس طرز عمل کا سلف پر کیا اثر پڑے گا۔ ان کے متعلق عوام کا کیا تصور قائم ہوگا اور ان اکابر اسلام پر عوام کا اعتماد باقی رہے گا یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کے اس غیر معقول رویہ سے نہ صرف ملت کی تضحیک ہورہی ہے بلکہ اسلام مخالف عناصر کے لیے مسلم پرسنل لاء میں ترمیم وتبدیلی کا جواز بھی فراہم ہورہا ہے مگر ہمارے یہ دانشور چپ وراست سے آنکھیں بند کرکے شوق اجتہاد اور جوش تجدد میں اپنے ناوک قلم سے دینی احکام ومسائل میں رخنہ اندازی میں مصروف ہیں۔

بعض انفرادیت پسند علماء اور شہرت طلب ارباب قلم (جو عوام میں عالم دین کی حیثیت سے معروف ہوگئے ہیں) کی غیر ذمہ دارانہ تحریروں نے مسئلہ کی نزاکت کو مزید بڑھادیا ہے

اسی کے ساتھ جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) بھی عواقب سے بے خبر ہو کر اس فتنہ کو ہوا دینے ہی میں اپنی کامیابی سمجھ رہی ہے۔ ان وجوہ سے ایک طے شدہ اور معمول بہ مسئلہ کے سلسلے میں عام مسلمانوں کے اندر خلجان واضطراب کا پیدا ہو جانا ایک فطری امر تھا جو پیدا ہوا اور ضرورت ہوئی کہ اس اضطراب وخلجان کو دور کرنے کے لیے مسئلہ سے متعلق دلائل یکجا کر کے پیش کر دیئے جائیں۔ چنانچہ امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کے ایماء پر یہ تحریر مرتب کر کے پیش کی جارہی ہے۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ زیر نظر تحریر نہایت عجلت میں سپرد قلم کی گئی ہے اس لیے اس میں سہو وخطا اور عبارت کی ژولیدگی کا وجود قرین قیاس ہے سہو وغلطی، بھول چوک سے بری ہونے کا کون دعویٰ کر سکتا ہے اس لیے ناظرین سے گذارش ہے کہ اس قسم کی اگر کوئی خامی وکمزوری کسی جگہ محسوس کریں تو بندہ کو اس سے ضرور مطلع فرمائیں تا کہ اس کی تصحیح کر لی جائے۔

اللهم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابه و صلى الله على النبي الكريم.

حبیب الرحمٰن قاسمی الاعظمی
خادم التدریس دار العلوم دیو بند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نکاح کی اہمیت

اسلامی شریعت میں نکاح کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن وحدیث میں اس سے متعلق خصوصی احکامات صادر ہوئے ہیں اور اس کی ترغیب صریح ارشادات نبوی میں موجود ہے۔ ایک طویل حدیث کے آخر میں آپؐ نے فرمایا "فمن رغب عن سنتی فلیس منی" جو میری سنت نکاح سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقہ سے خارج ہے۔

(بخاری شریف جلد ۲، ص ۷۵۷)

ایک اور حدیث میں فرمایا "ان سنتنا النکاح" نکاح ہماری سنت ہے۔

(مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۶۳)

ایک حدیث میں نکاح کو تکمیل ایمان کا ذریعہ بتایا گیا ہے خادم رسولؐ انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من تزوج فقد استکمل نصف الایمان فلیتق اللہ فی النصف الباقی۔"

جس نے نکاح کر لیا اس نے اپنے نصف ایمان کی تکمیل کر لی۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ بقیہ نصف کے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہے۔ (مشکوٰۃ ۲۶۷ و جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۱۶)

انھیں جیسی احادیث کے پیش نظر امام اعظم ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ نے عبادات نافلہ میں اشتغال کے مقابلہ میں نکاح کو افضل قرار دیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ نکاح کی ایک حیثیت اگر باہمی معاملہ کی ہے تو اسی کے ساتھ عام معاملات ومعاہدات سے بالاتر یہ سنت و عبادت کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ نکاح کی اسی خصوصی اہمیت کی بنا پر اس کے انعقاد اور وجود پذیر ہونے کے لیے باجماع کچھ ایسے آداب اور ضروری شرائط ہیں جو دیگر معاملات خرید و فروخت وغیرہ میں نہیں ہیں۔ مثلاً ہر عورت اور ہر مرد سے نکاح درست نہیں اس بارے میں اسلامی شریعت کا ایک مستقل قانون ہے جس کی رو سے بہت سی عورتوں اور مردوں کا باہم نکاح نہیں ہوسکتا۔ دیگر معاملات کے منعقد و مکمل ہونے کے لیے گواہی شرط نہیں ہے۔ جب

کہ نکاح کے انعقاد کے واسطے گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے اگر مرد وعورت بغیر گواہوں کے نکاح کرلیں تو یہ نکاح قانون شرع کے لحاظ سے باطل اور کالعدم ہوگا۔

یہ خصوصی احکام اور ضروری پابندیاں بتا رہی ہیں کہ معاملہ نکاح کی سطح دیگر معاملات و معاہدات سے بلند ہے۔شریعت کی نگاہ میں یہ ایک بہت ہی سنجیدہ اور قابل احترام معاملہ ہے جو اس لیے کیا جاتا ہے کہ باقی رہے یہاں تک کہ موت ہی زوجین کو ایک دوسرے سے جدا کردے۔ یہ ایک ایسا قابل قدر رشتہ ہے جو تکمیل انسانیت کا ذریعہ اور رضائے الٰہی و اتباع سنت کا وسیلہ ہے۔جس کے استحکام پر گھر، خاندان اور معاشرے کا استحکام موقوف ہے اور جس کی خوبی وخوشگواری پر معاشرے کی خوبی وبہتری کا دارو مدار ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے انقطاع اور ٹوٹنے سے صرف فریقین (میاں بیوی) ہی متاثر نہیں ہوتے بلکہ اس سے پورے نظام خانگی کی چولیں ہل جاتی ہیں اور بسا اوقات خاندانوں میں فساد ونزاع تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے جس سے معاشرہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔اسی بناء پر بغیر ضرورت طلاق (جو رشتہ نکاح کو منقطع کرنے کا شرعی ذریعہ ہے) خدائے دو جہاں کے نزدیک ایک ناپسندیدہ اور ناگوار عمل ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''ابغض الحلال الی اللہ عزو جل الطلاق'' اللہ کی حلال کردہ چیزوں میں طلاق سے زیادہ مبغوض اور کوئی چیز نہیں ہے۔

(سنن ابی داؤد ج۱، ص۳۰۲-المستدرک للحاکم ج۲، ص۱۶۹ وقال الذہبی صحیح علی شرط مسلم)

اسلام کا ضابطۂ طلاق

اس لیے جو اسباب ووجوہ اس بابرکت اور محترم رشتہ کو توڑنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں انھیں راہ سے ہٹانے کا کتاب وسنت کی تعلیمات نے مکمل انتظام کردیا ہے۔ زوجین کے باہمی حالات ومعاملات سے متعلق قرآن وحدیث میں جو ہدایتیں دی گئی ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ یہ رشتہ کمزور ہونے کی بجائے پائیدار اور مستحکم ہوتا چلا جائے۔ ناموافقت کی صورت میں افہام وتفہیم، پھر زجر وتنبیہ اور اگر اس سے کام نہ چلے اور بات بڑھ جائے تو خاندان ہی کے افراد کو حکم وثالث بنا کر معاملہ طے کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

لیکن بسا اوقات حالات اس حد تک بگڑ جاتے ہیں کہ اصلاح حال کی یہ ساری کوششیں

بے سود ہو جاتی ہیں اور رشتہ ازدواج سے مطلوب ثمرات وفوائد حاصل ہونے کے بجائے زوجین کا باہم مل کر رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے۔ایسی ناگزیر حالت میں ازدواجی تعلق کا ختم کردینا ہی دونوں کے لیے بلکہ پورے خاندان کے لیے باعث راحت ہوتا ہے اس لیے شریعت اسلامی نے طلاق اور فسخ نکاح کا قانون بنایا۔جس میں طلاق کا اختیار صرف مرد کو دیا گیا جس میں عادتاً وطبعاً عورت کے مقابلہ میں فکر وتدبر اور برداشت وتحمل کی قوت زیادہ ہوتی ہے علاوہ ازیں مرد کی قوامیت وافضلیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ اختیار صرف اسی کو حاصل ہو۔لیکن عورت کو بھی اس حق سے یکسر محروم نہیں کیا کہ وہ ''کالمیت فی ید الغسال'' شوہر کے ہر ظلم وجور کا ہدف بنی رہے اور اپنی رہائی کے لیے کچھ نہ کرسکے۔ بلکہ اسے بھی یہ حق دیا کہ شرعی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کرکے قانون کے مطابق طلاق حاصل کرسکتی ہے یا نکاح فسخ کراسکتی ہے۔

پھر مرد کو طلاق کا اختیار دے کر اسے بالکل آزاد نہیں چھوڑ دیا بلکہ اسے تاکیدی ہدایت دی کہ کسی وقتی وہنگامی ناگواری میں اس حق کو استعمال نہ کرے۔اس پر بھی سخت تنبیہ کی گئی کہ حق طلاق کو دفعتاً استعمال کرنا غیر مناسب اور نادانی ہے کیونکہ اس صورت میں غور وفکر اور مصالح کے مطابق فیصلہ لینے کی گنجائش ختم ہو جائے گی جس کا نتیجہ حسرت وندامت کے سوا کچھ نہیں۔اس کی بھی تاکید کی گئی کہ حیض کے زمانہ میں یا ایسے طہر میں جس میں ہم بستری ہوچکی ہے طلاق نہ دی جائے کیونکہ اس صورت میں عورت کو خواہ مخواہ طول عدت کا ضرر پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ اس حق کے استعمال کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جس طہر میں ہم بستری نہیں کی گئی ہے ایک طلاق دے کر رک جائے، عدت پوری ہو جانے پر رشتہ نکاح ختم ہو جائے گا۔ دوسری یا تیسری طلاق کی ضرورت نہیں پڑے گی اور اگر دوسری یا تیسری طلاق دینی ہی ہے تو الگ الگ طہر میں دی جائے۔

پھر معاملہ نکاح کے توڑنے میں یہ لچک رکھی کہ ایک یا دو بار صریح لفظوں میں طلاق دینے سے فی الفور نکاح ختم نہیں ہوگا بلکہ عدت پوری ہونے تک یہ رشتہ باقی رہے گا۔ دوران عدت اگر مرد اپنی طلاق سے رجوع کرلے تو نکاح سابق بحال رہے گا جب کہ دیگر معاملات بیع وشراء وغیرہ میں یہ گنجائش نہیں ہے۔ نیز عورت کو ضرر سے بچانے کی غرض سے حق رجعت کو بھی دو طلاقوں تک محدود کردیا گیا تا کہ کوئی شوہر محض عورت کو ستانے کے لیے

ایسا نہ کرسکے کہ ہمیشہ طلاق دیتا رہے اور رجعت کر کے قید نکاح میں اسے محبوس رکھے بلکہ شوہر کو پابند کردیا گیا کہ اختیار رجعت صرف دو طلاقوں تک ہی ہے تین طلاقوں کی صورت میں یہ اختیار ختم ہوجائے گا بلکہ فریقین اگر باہمی رضا سے نکاح ثانی کرنا چاہیں تو ایک خاص صورت کے علاوہ یہ نکاح درست اور حلال نہیں ہوگا۔ آیت پاک ’’الطلاق مرتان‘‘ اور ’’فان طلقها فلاتحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره‘‘ میں یہی قانون بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے تیسری طلاق دے دی تو معاملہ نکاح ختم ہوگیا اور اب مرد کو نہ صرف یہ کہ رجعت کا اختیار نہیں رہا بلکہ تین طلاقوں کے بعد اگر یہ دونوں باہمی رضا سے پھر رشتہ نکاح میں منسلک ہونا چاہیں تو وہ ایسا نہیں کرسکتے تاوقتیکہ یہ عورت عدت طلاق گزار کر دوسرے مرد سے نکاح کر لے، نیز حقوق زوجیت سے بہرہ ور ہوتے ہوئے دوسرے شوہر کے ساتھ رہے پھر اگر اتفاق سے یہ دوسرا شوہر بھی طلاق دے دے یا وفات پا جائے تو اس کی عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہوسکتا ہے۔ آیت کریمہ ’’فان طلقها فلا جناح عليهما ان يتراجعا‘‘ میں اسی نکاح جدید کا بیان ہے۔ یعنی پھر اگر یہ دوسرا شوہر اس کو طلاق دے دے تو ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ دوبارہ باہم رشتہ ازدواج قائم کرلیں۔ شریعت اسلامی کے وضع کردہ اس ضابطہ طلاق پر اگر پورے طور پر عمل کیا جائے تو طلاق دینے کے بعد نہ کسی شوہر کو حسرت وندامت سے دوچار ہونا پڑے گا اور نہ ہی کثرت طلاق کو یہ وبا باقی رہے گی جس کے نتیجہ میں طرح طرح کے ناگوار مسائل پیدا ہوتے ہیں جو نہ صرف مسلم معاشرہ کے لیے دردسر بنے ہوئے ہیں بلکہ اسلام مخالف عناصر کو اسلامی قانون طلاق میں کیڑے نکالنے اور طعنہ زنی کا موقع فراہم کر رہے ہیں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے۔ ’’**لو ان الناس اصابوا حد الطلاق ماندم رجل طلق امرأته**‘‘ اگر لوگ طلاق سے متعلق پابندیوں پر قائم رہیں تو کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر گرفتار ندامت نہیں ہوگا۔ (احکام القرآن جصاص رازی ج ۱، ص ۳۸۷)

اس موقع پر ایک سوال یہ بھی اُٹھتا ہے کہ اگر کسی نے ازراہ حماقت وجہالت طلاق کے مستحسن اور بہتر طریقہ کو چھوڑ کر غیر مشروع طور پر طلاق دے دی مثلاً الگ الگ تین طہروں میں طلاق دینے کے بجائے ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی تلفظ میں تینوں طلاقیں دے ڈالیں تو اس کا اثر کیا ہوگا؟

آج کل جماعت غیر مقلدین مختلف ذرائع سے عامۃ المسلمین کو یہ باور کرانے کی کوشش میں مصروف ہے کہ ایک مجلس یا ایک تلفظ میں دی گئی تین طلاقیں شرعاً ایک ہی شمار ہوں گی اور اس طرح دی گئی تین طلاقوں کے بعد ازدواجی تعلق برقرار اور شوہر کو رجعت کا اختیار باقی رہے گا۔ جب کہ ظاہر قرآن، احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور اقوال فقہاء ومحدثین سے ثابت ہے کہ مجلس واحد یا کلمہ واحدہ کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ شریعت اسلامی کا یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر عہد فاروقی میں حضرات صحابہؓ کا اجماع واتفاق ہوچکا ہے جس کے بعد اختلاف کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اسی بناء پر ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بیک زبان کہتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں چاہے بیک لفظ دی جائیں یا الگ الگ لفظوں سے واقع ہوجاتی ہیں اور تین طلاقوں کے بعد چاہے وہ جس طرح بھی دی گئی ہوں رجعت کرنا ازروئے شرع ممکن نہیں ہے۔ اور یہی جمہور سلف وخلف کا مسلک ہے۔ ذیل میں مسئلہ زیر بحث سے متعلق علی الترتیب قرآن، حدیث، اجماع اور آثار صحابہ پر مشتمل دلائل پیش کئے جارہے ہیں۔ اس لیے کہ اسلامی احکام کے بنیادی اور اہم ماخذ یہی ہیں۔

(۱) کتاب اللہ

مسئلہ زیر بحث میں ضروری ہے کہ سب سے پہلے قرآن حکیم کی ’’آیت طلاق‘‘ پر غور کرلیا جائے، کیونکہ مسئلہ طلاق میں اس کی حیثیت ایک بنیادی ضابطہ اور قانون کی ہے۔ اس آیت کی تفسیر وتاویل معلوم ہوجانے سے انشاء اللہ مسئلہ کی بہت ساری گتھیاں ازخود سلجھ جائیں گی۔

عہد جاہلیت میں طلاقیں دینے اور پھر عدت میں رجوع کرلینے کی کوئی حد نہیں تھی سیکڑوں طلاقیں دی جاسکتی تھیں اور پھر عدت کے اندر رجوع کیا جاسکتا تھا، بعض لوگ جنھیں اپنی بیویوں سے کسی بناء پر کد ہوجاتی اور وہ انھیں ستانا اور پریشان کرنا چاہتے تو طلاقیں دے دے کر عدت میں رجوع کرتے رہتے تھے، نہ خود ان کے ازدواجی حقوق ادا کرتے اور نہ انھیں آزاد کرتے اس طرح وہ مجبور محض اور بے بس ہوکر رہ جاتی تھیں، جب تک طلاق سے متعلق اسلام میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا مسلمانوں میں بھی طلاق کا یہی طریقہ جاری رہا، امام قرطبی لکھتے ہیں۔ ’’**وکان هذا اول الاسلام برهة** (جامع احکام القرآن ج ۳، ص ۱۲۶)

ابتدائے اسلام میں ایک عرصہ تک یہی طریقہ رائج رہا۔

اخرج البیہقی بسندہ عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رضی الله عنہا قالت کان الرجل طلق امرأتہ ماشاء ان یطلقہا و ان طلقہا مائۃ او اکثر اذا ارتجعہا قبل ان تنقضی عدتہا حتی قال الرجل لا مرأتہ لا اطلقک فتبینی و لا اوویک الیّ قالت و کیف ذاک؟ قال اطلقک فکلما ہمت عدتک ان تنقضی ارتجعتک و افعل ہکذا! فشکت المرأۃ ذالک الی عائشۃ رضی الله عنہا فذکر عائشۃ ذالک رسول اللهﷺ فسکت فلم یقل شیئا حتی نزل القرآن (الطلاق مرتان فامساک معروف اوتسریح باحسان) الآیۃ فا ستانف الناس الطلاق فمن شاء طلق و من شاء لم یطلق" ورواہ ایضاً قتیبۃ بن سعید و الحمیدی عن یعلی بن شبیب و کذالک قال محمد بن اسحاق بن یسار بمعناہ وروی، نزول آیۃ فیہ عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رضی الله عنہا۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی مع الجوہر النقی ج۷، ص ۳۳۳ مطبوعہ حیدر آباد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مرد اپنی بیوی کو جتنی طلاقیں دینا چاہتا دے سکتا تھا اگر چہ وہ طلاقیں سیکڑوں تک پہنچ جائیں بشرطیکہ عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کرلے، یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھے اس طرح طلاق نہ دوں گا کہ تو مجھ سے الگ ہوجائے اور نہ میں تجھے اپنے پناہ ہی میں رکھوں گا، اس عورت نے پوچھا کہ یہ معاملہ تم کس طرح کروگے، اس نے جواب دیا میں تجھے طلاق دوں گا اور جب عدت پوری ہونے کے قریب ہوگی تو رجوع کرلوں گا، طلاق اور رجعت کا یہ سلسلہ جاری رکھوں گا، اس عورت نے اپنے شوہر کی اس دھمکی کی شکایت حضرت عائشہؓ سے کی، حضرت عائشہؓ نے اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خاموش رہے اس پر کچھ فرمایا نہیں، تا آنکہ قرآن حکیم کی آیت (**الطلاق مرتان الخ**) نازل ہوگئی، تو اس وقت سے لوگوں نے آیت کے مطابق طلاق کی ابتدا کی اور جس نے چاہا اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور جس نے چاہا نہ دی، امام بیہقی کہتے ہیں کہ اس روایت کو قتیبہ بن سعید اور حمیدی نے بھی یعلی بن شبیب کے واسطہ سے نقل کیا ہے، اسی طرح محمد ابن اسحاق

امام المغازی نے ہشام کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ سے الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔

واخرج ابن مردویۃ البیہقی عن عائشۃ قالت لم یکن للطلاق وقت یطلق الرجل امرأۃ ثم یراجعہا مالم تنقض العدۃ فوقت لہم الطلاق ثلاثا یراجعہا فی الواحدۃ و الثنتین ولیس فی الثالثۃ رجعۃ حتی تنکح زوجا غیرہ۔ (تفسیر ابن کثیر ج۱، ص ۲۷۷)

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ طلاق کی کوئی حد نہیں تھی آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے کر عدت کے اندر رجوع کرلیا کرتا تھا تو ان کے لیے تین طلاق کی حد مقرر کردی گئی ایک اور دو طلاقوں تک رجعت کرسکتا ہے تیسری کے بعد رجعت نہیں تاوقتیکہ مطلقہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے۔"

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے **وراوہ الحاکم فی مستدرکہ وقال صحیح الاسناد**، اس روایت کو امام حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی رویت ہے:

اخرج ابوداؤد عن ابن عباس رضی الله عنہما "والمطلقات یتربصن بانفسہن ثلاثۃ قروء ولایحل لہن ان یکتمن ما خلق الله فی ارحامہن" الآیۃ و ذالک ان الرجل کان اذا طلق امرأتہ فہو احق برجعتہا و ان طلقہا ثلاثا فنسخ ذالک فقال "الطلاق مرتان" (بذل المجہود شرح سنن ابوداؤد باب فی نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث ج۲، ص ۲۱)

"مطلقہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور انھیں حلال نہیں اس چیز کا چھپانا جو اللہ نے ان کے رحم میں پیدا کیا دستور یہ تھا کہ مرد جب اپنی بیوی کو طلاق دیتا تو رجعت کا حق رکھتا تھا اگر چہ تین طلاقیں دی ہوں پھر اس طریقہ کو منسوخ کردیا گیا، اللہ جل شانہٗ نے فرمایا، الطلاق مرتان، یعنی طلاق رجعی دو ہیں۔

الفاظ کے فرق کے ساتھ سبب نزول سے متعلق اسی طرح کی روایتیں موطا امام مالک اور جامع ترمذی اور تفسیر طبری وغیرہ میں بھی ہیں، ان تمام روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ آیت

کریمہ ''الطلاق مرتان'' کے ذریعہ قدیم طریقہ کو منسوخ کر کے طلاق اور رجعت دونوں کی حد متعین کردی گئی کہ طلاق کی تعداد تین ہے اور رجعت دو طلاقوں تک کی جاسکتی ہے اس کے بعد رجعت کا اختیار ختم ہوجائے گا ''**فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره**'' دو کے بعد اگر طلاق دے دی تو بیوی حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ کسی اور مرد سے نکاح کرلے، حدیث میں ''**تنکح زوجا غیره**'' کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ دوسرا شوہر لطف اندوز صحبت بھی ہو۔

قدوۃ المفسرین امام ابن جریر طبری متوفی ۳۰۹ھ سبب نزول کی روایت متعدد سندوں سے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فتاویل الآیة علی هذا الخبر الذی ذکرنا عدد الطلاق الذی لکم ایها الناس فیه علی ازواجکم الرجعة اذا کن مدخولا بهن تطلیقتان ثم الواجب بعد التطلیقتین امساک بمعروف او تسریح باحسان لانه لا رجعة له بعد التطلیقتین ان سرحها فطلقها الثلاث.

''آیت کی تفسیر ان روایتوں کے پیش نظر جو ہم نے اوپر ذکر کی ہیں یہ ہے کہ طلاق کی وہ تعداد جس میں تمھیں اے لوگو اپنی مطلقہ بیویوں سے رجعت کا حق ہے جبکہ ان سے ہم بستری ہوچکی ہو دو طلاقیں ہیں۔ ان دو طلاقوں کے بعد خوش اسلوبی کے ساتھ نکاح میں روک لینا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اس لیے کہ دو طلاقوں کے بعد رجعت نہیں ہے، اگر چھوڑنا چاہے تو تیسری طلاق دے دے۔''

غیر مقلد عالم کی ہٹ دھرمی

ایک غیر مقلّد نے کہا کہ آیت میں ''**الطلاق مرتان**'' دو مرتبہ ہے جو کہ دو مجلس میں ہو اس میں ایک مجلس کے دو طلاق کا ذکر نہیں؟ لیکن ابن جریر نے مرتان کی تفسیر **تطلیقتان** سے کر کے روایت کے پیش نظر ایک مجلس اور مجلسین سے عام رکھا ہے۔ پس روایات کی روشنی میں جو تفسیر کی گئی وہی معتبر ہوگی۔ علاوہ ازیں وضو کے باب میں یہ روایت صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے کہ **توضأ رسول الله ﷺ مرة مرة و مرتین مرتین، وثلثاً ثلثاً** تو کیا یہ مدعی عمل بالحدیث اس کا مطلب یہ لے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اعضاء وضو کو دو مجلس یا تین مجلس میں دھویا؟

اس کے بعد آیت سے متعلق دوسرا قول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

وقال الآخرون انما انزلت هذه الآیة علی نبی الله (صلی الله علیه وسلم) تعریفاً من الله تعالیٰ ذکره عباده سنة طلاقهم نساء هم اذا ارادوا طلاقهن لا دلالة علی القدر الذی تبین به المرأة من زوجها وتاویل الآیة علی قول هؤلاء سنة الطلاق التی سننتها و ابحتها لکم ان اردتم طلاق نساء کم ان تطلقوهن ثنتین فی کل طهر واحدة ثم الواجب بعد ذلک علیکم اما ان تمسکوهن بمعروف او تسرحوهن باحسان.

''اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت منجانب اللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اللہ کی طرف سے بندوں کو اپنی بیویوں کو طریقہ طلاق سکھانے کے لیے، اس آیت کا مقصد طلاق بائن کی تعداد بیان کرنا نہیں ہے، ان حضرات کے اس قول کے تحت آیت کی تفسیر یہ ہوگی کہ طلاق کا طریقہ جو میں نے جاری اور تمہارے لیے مباح کیا یہ ہے کہ اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو انھیں دو طلاقیں ایک ایک طہر میں دو، ان دو طلاقوں کے بعد تم پر واجب ہوگا کہ انھیں دستور شرعی کے مطابق روک لو یا خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دو۔''

شان نزول سے متعلق ان دونوں روایتوں اور ان کے تحت آیت کی تفسیر کرنے کے بعد اپنی ترجیحی رائے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

والذی اولی بظاهر التنزیل ماقاله عروة وقتادة ومن قال مثل قولهما من ان الآیة انما هی دلیل علی عدد الطلاق الذی یکون به التحریم وبطلان الرجعة فیه والذی یکون فیه الرجعة منه وذالک ان الله تعالی ذکره قال فی الآیة التی نتلوها "فان طلقها فلاتحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره" فعرف عباده القدر الذی به تحرم المرأة علی زوجها الا بعد زوج ولم یبین فیها الوقت الذی یجوز الطلاق فیه والوقت الذی لایجوز فیه (جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج۳، ص۲۵۹)

''ظاہر قرآن سے زیادہ قریب وہی بات ہے جو عروہ، قتادہ وغیرہ نے کہی ہے یعنی یہ آیت دلیل ہے اس عدد طلاق کی جس سے عورت حرام اور رجعت کرنی باطل ہوجائے گی،

اور جس طلاق کے بعد رجعت ہوسکتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد ''**فان طلّقها فلا تحل له**'' کا ذکر کے بندوں کو طلاق کو اس تعداد کو بتایا ہے جس سے عورت اپنے شوہر پر حرام ہوجائے گی مگر یہ کہ دوسرے شوہر سے رشتہ نکاح قائم کرلے، اس موقع پر ان اوقات کا ذکر نہیں فرمایا ہے جن میں طلاق جائز اور ناجائز ہوتی ہے۔''

امام ابن جریر طبری کے علاوہ حافظ ابن کثیر اور امام رازی نے بھی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے نیز علامہ سید آلوسی حنفیؒ نے اس کو ''**الیق بالنظم و اوفق بسبب النزول**'' (یعنی نظم قرآن سے زیادہ مناسب اور سبب نزول سے خوب چسپاں ہے) بتایا ہے۔

(روح المعانی ج ۲، ص ۱۳۵)

آیت پاک ''**الطلاق مرتان**'' کی اس تفسیر کا (جسے امام طبری وغیرہ نے اولیٰ اور راجح قرار دیا ہے) سبب نزول سے موافق ہونا تو ظاہر ہے، رہی بات نظم قرآن کے ساتھ اس تفسیر کی مناسبت و مطابقت کی تو اس کو سمجھنے کے لیے آیت کے سیاق و سباق پر نظر ڈالیے، آیت زیر بحث سے پہلے ''**والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلثة قروء**'' کا ذکر ہے طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں تین حیض تک ''بعد ازاں اس مدت انتظار میں شوہر کے حق رجعت کا حکم بیان فرمایا گیا **وبعولتهن احق بردهن فی ذالک ان ارادوا اصلاحاً**'' اور ان کے شوہر حق رکھتے ہیں ان کے لوٹا لینے کا اس مدت میں اگر چاہیں سلوک سے رہنا۔

اس آیت کے نزول کے وقت قدیم رواج کے مطابق حق رجعت بغیر کسی قید کے بحالہ باقی تھا چاہے سیکڑوں طلاقیں کیوں نہ دی جاچکی ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۲۷۱) اور اس بے قید حق رجعت سے عورتیں جس ناقابل برداشت مصیبت میں مبتلا ہوجاتی تھیں اس کا اندازہ سبب نزول سے متعلق اوپر مذکور روایت سے ہوچکا ہے، چنانچہ اس کے بعد آیت ''**الطلاق مرتان**'' نازل ہوئی، جس کے ذریعہ قدیم طریقہ کو ختم کرکے ایک جدید قانون نافذ کردیا گیا کہ رجعت کا حق صرف دو طلاقوں تک ہوگا، اس کے بعد طلاق کی آخری حد بیان کرنے کے لیے ارشاد ہوا ''**فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره**'' اور اگر تین طلاقیں دے دیں تو اب عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے (اور دوسرا شوہر اس کی صحبت سے لطف اندوز نہ

ہولے۔ الحدیث) اس کے ساتھ ازدواجی رشتہ قائم کرنا جائز نہ ہوگا۔

کلام خداوندی کا یہ نظم مظہر ہے کہ آیت ''**الطلاق مرتان**'' کا مقصد نزول طلاق رجعی کی حد اور طلاقوں کی انتہائی تعداد بیان کرنا ہے، قطع نظر اس کے کہ یہ طلاق بلفظ واحد دی گئی ہو یا بالفاظ مکررہ۔ ایک مجلس میں دی گئی ہو یا الگ الگ مختلف مجلسوں میں، بس یہی دو باتیں بہ نص صریح اس آیت سے ثابت ہوتی ہیں، تفریق مجلس کے لیے اس آیت میں ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ہے، لفظ ''مرتان'' کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دو طلاقیں بیک وقت و بیک کلمہ نہ دی جائیں بلکہ الگ الگ الفاظ سے دی جائیں، پھر ''مرتان'' کا لفظ ''مرۃ بعد اخریٰ'' یعنی یکے بعد دیگرے (ایک کے بعد دوسرا) کے معنی میں قطعی بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ لفظ جس طرح یکے بعد دیگرے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح عددان یعنی دو چند اور ڈبل کے معنی میں بھی قرآن و حدیث میں استعمال کیا گیا ہے۔ جس کی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

الف: **اولئک یوتون اجرهم مرتین** یہ لوگ (یعنی مومنین اہل کتاب) دیئے جائیں گے اپنا اجر و ثواب دوگنا۔

ب: اسی طرح ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن اجمعین کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔ **ومن یقنت منکن لله و رسوله و نعمل صالحانؤتها اجرها مرتین.** اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور عمل کرے اچھے تو ہم دیں گے اس کو اس کا ثواب دوگنا۔

ان دونوں قرآنی آیتوں میں ''مرتین'' عددین یعنی دو چند اور دوہرے ہی کے معنی میں ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کو الگ الگ دو مرتبہ ثواب دیا جائے گا۔

اب حدیث سے دو مثالیں بھی ملاحظہ کیجیے۔

(۱) بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''**العبد اذا نصح لسیده واحسن عبادة ربه کان له اجره مرتین** غلام جب اپنے آقا کا خیرخواہ ہوگا اور اپنے رب کی عبادت میں مخلص تو اسے دوہرا اجر ملے گا'' یہاں مرتین مضاعفین یعنی دوگنے اور دوہرے ہی کے معنی میں ہے۔

(۲) صحیح مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے **ان اهل مكة سالو**

رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يريهم آية فاراهم انشقاق القمر مرتين." (صحیح مسلم ج۲،ص۳۷۳)

"مکہ والوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا تو آپ نے چاند کے دوٹکڑے ہونے کا معجزہ دکھایا۔"

اس حدیث میں 'مرتين' فلقتين یعنی دوٹکڑے کے معنی میں ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے انھیں "مرة بعد اخرى" یکے بعد دیگرے شق القمر کا معجزہ دکھایا کیونکہ سیرت رسول سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ شق القمر چاند کے دوٹکڑے ہونے کا معجزہ صرف ایک بار ظاہر ہوا ہے، چنانچہ خود حافظ ابن القیم نے اپنی مشہور کتاب "اغاثة اللهفان" میں حدیث مذکور کو نقل کر کے مرتین کا معنی شقتين و فلقتين ہی بیان کیا ہے، اور اس کے بعد لکھا ہے۔

ولما خفي هذا على من لم يحط به علما زعم ان الانشقاق وقع مرة بعد مرة في زمانين وهذا مما يعلم اهل الحديث ومن له خبرة باحوال الرسول وسيرته انه غلط وانه لم يقع الانشقاق الامرة واحدة۔

(بحوالہ اعلاء السنن، ج۱۱، ص۱۷۹)

"مرتین کا یہ معنی جن لوگوں پر ان کی کم علمی کی بناء پر مخفی رہا انھوں نے سمجھ لیا کہ شق القمر کا معجزہ مختلف زمانوں میں متعدد بار ظاہر ہوا ہے، علماء حدیث اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور سیرت سے واقف اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ مرتین کا یہ معنی اس جگہ غلط ہے، کیونکہ شق القمر کا معجزہ صرف ایک ہی بار ظہور میں آیا ہے۔"

حافظ ابن القیم نے مرتین کی مراد سے متعلق اس موقع پر جو اصول ذکر کیا ہے کہ اگر مرتان سے افعال کا بیان ہوگا تو اس وقت تعدد زمانی یعنی یکے بعد دیگرے کے معنی میں ہوگا، کیونکہ دوکاموں کا ایک وقت میں اجتماع ممکن نہیں ہے مثلاً جب کوئی یہ کہے کہ "اكلت مرتين" تو اس کا لازمی طور پر معنی یہ ہوگا کہ میں نے دوبار کھایا اس لیے کہ دواکل یعنی کھانے کا دوعمل ایک وقت میں نہیں ہوسکتا، اور جب مرتین سے اعیان یعنی ذات کا بیان ہوگا تو اس وقت یہ "عددين" دوچند اور ڈبل کے معنی میں ہوگا، کیونکہ دوذاتوں کا ایک وقت میں اکٹھا ہونا ممکن ہے۔

موصوف کے اس اصول کے اعتبار سے بھی آیت پاک "الطلاق مرتان" میں مرتین، عددین کے معنی میں ہوگا کیونکہ اوپر کی تفصیل سے یہ بات منقح ہوچکی ہے کہ اس آیت میں طلاق رجعی کی تعداد بیان کی گئی ہے۔ تطلیق یعنی طلاق دینے کی کیفیت کا بیان نہیں ہے اور طلاق ذات اور اسم ہے فعل نہیں ہے۔

البتہ امام مجاہد وغیرہ کے قول پر (جن کی رائے میں آیت مذکورہ طریقۂ طلاق بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے "الطلاق" تطلیق یعنی طلاق دینے کے معنی میں ہوگا اور طلاق دینا ایک فعل ہے تو اس وقت "مرتین" کا معنی مرة بعد اخرىٰ اور یکے بعد دیگرے ہوگا، اس معنی کی صورت میں بھی "الطلاق مرتان" سے صرف اتنی بات ثابت ہوگی کہ دو طلاقیں الگ الگ آگے پیچھے دی جائیں بیک کلمہ نہ دی جائیں، اس سے زیادہ کوئی اور قید مثلاً تفریق مجلس وغیرہ کی تو اس آیت میں اس کا معمولی اشارہ بھی نہیں ہے، اس لیے اگر ایک مجلس یا ایک طہر میں انت طالق، انت طالق تجھ پر طلاق ہے، تجھ پر طلاق ہے۔ الگ الگ تلفظ کے ذریعہ طلاق دی جائے تو یہ صورت "الطلاق مرتان" طلاق یکے بعد دیگرے ہے، کے عین مطابق ہوگی، لہٰذا اس آیت کے مطابق یہ دونوں طلاقیں ایک مجلس یا ایک طہر میں ہونے کے باوجود واقع ہوجائیں گی۔ اور جب اس آیت کی رو سے ایک مجلس یا ایک طہر کی متعدد تلفظ سے دی گئی طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں تو ایک تلفظ سے دی گئی طلاقیں بھی واقع ہوجائیں گی، کیونکہ ایک مجلس میں دی گئی دونوں طلاقوں (یعنی ایک تلفظ سے اور متعدد تلفظ سے) کا حکم بغیر کسی اختلاف کے سب کے نزدیک یکساں ہے۔

(دیکھیے احکام القرآن امام جصاص رازی ج ۱، ص ۳۸۶، المطبعة السلفية، مصر)

اسی بناء پر جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ آیت "الطلاق مرتان" میں طلاق دینے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور "مرتین" مرة بعد اخرىٰ یکے بعد دیگرے کے معنی میں ہے وہ حضرات بھی اسی کے قائل ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ اگر چہ طلاق دینے کا یہ طریقہ غلط ہے لیکن غلط طریقہ اختیار کرنے سے طلاق کے وقوع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، ہاں اس طرح طلاق دینے والا غلط طریقہ اختیار کرنے کا مجرم ہوگا۔

آیت طلاق پر اس تفصیلی بحث سے یہ بات کھل کر معلوم ہوگئی کہ آیت پاک میں واقع لفظ "مرتین" کا معنی مرة بعد اخرىٰ یعنی یکے بعد دیگرے بھی صحیح ہے اور ثنتين یعنی دو کا معنی

بھی درست ہے۔ نیز دونوں معنی کے اعتبار سے ایک مجلس یا ایک تلفظ میں دی گئی تین طلاقیں اس آیت کی رو سے واقع ہو جائیں گی اور اس کے بعد بحکم قرآن "**فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره**" حق رجعت ختم ہو جائے گا، اس لیے جو لوگ کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے بعد بھی حق رجعت باقی رہتا ہے وہ قانون الٰہی کی مقررہ حد کو توڑ رہے ہیں اور ایک چور دروازہ نکال رہے ہیں تاکہ ظالم شوہروں کو مزید ظلم کا موقع ہاتھ آ جائے یا کم از کم قانون کے دائرہ اثر کو محدود اور تنگ کر رہے ہیں، جب کہ اس تحدید کا کوئی ثبوت نہ آیت کریمہ میں ہے اور نہ اس کا کوئی اشارہ ان روایتوں میں ہے جو اس آیت کے سبب نزول سے متعلق ہیں۔ علاوہ ازیں قانون بحیثیت قانون کے اس طرح کی حد بندیوں کو برداشت بھی نہیں کرتا وہ تو اپنے جملہ متعلقات کو حاوی ہوتا ہے نیز اس تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جو لوگ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک بتاتے ہوئے بطور استدلال کے اس آیت کو پیش کرتے ہیں ان کا یہ طرز عمل خالص مغالطہ پر مبنی ہے، استدلال سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۲) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ ایک مجلس میں تین طلاقوں کے وقوع پر آیت کریمہ "**فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره**" سے استدلال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

فالقران واللہ اعلم یدل علیٰ ان من طلق زوجة له دخل بها او لم یدخل بها ثلثة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره۔

(کتاب الام، ج۵، ص۱۶۵ و سنن الکبریٰ، ج۱، ص۳۳۳)

"اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ قرآن حکیم کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں خواہ اس نے اس سے ہم بستری کی ہو یا نہ کی ہو وہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔"

امام شافعیؒ کا استدلال **فان طلقها** کے عموم سے ہے کیونکہ "**فان طلق**" فعل شرط ہے جو عموم کے صیغوں میں سے ہے جیسا کہ اصول کی کتابوں میں مصرح ہے، لہٰذا اس کے عموم میں ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی داخل ہوں گی۔

یہی بات علامہ ابن حزم ظاہری بھی لکھتے ہیں، چنانچہ "**فان طلقها فلا تحل له**

الآیة" کے تحت لکھتے ہیں۔

فهذا یقع علی الثلاث مجموعة و مفرقة و لا یجوز ان یخص بهذه الآیة بعض ذالک دون بعض بغیر نص (المحلی، ج۱۰، ص۲۰۷) یعنی **فان طلقها** کا لفظ ان تین طلاقوں پر بھی صادق آتا ہے جو اکٹھی دی گئی ہوں اور ان پر بھی جو الگ الگ دی گئی ہوں اور بغیر کسی نص کے اس آیت کو خاص کسی ایک قسم کی طلاق پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

اس صحیح استدلال کی تردید میں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آیت کے عموم سے اکٹھی طلاقیں خارج ہیں کیونکہ شریعت اسلامی میں اس طرح مجموعی طلاقیں دینی ممنوع ہیں، اب اگر ان ممنوع طلاقوں کو آیت کے عموم میں داخل مان کر ان کے نفاذ کو تسلیم کر لیا جائے تو شریعت کی ممانعت کا کوئی معنی ہی نہ ہوگا اور یہ رائیگاں ہو جائے گی۔

بظاہر ان لوگوں کی یہ بات بڑی وقیع اور چست نظر آتی ہے، لیکن اصول وضوابط اور شرعی نظائر میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت ایک بے بنیاد مفروضہ سے زیادہ کی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس جواب میں سبب اور اس کے اثر و حکم کو گڈمڈ کر کے یہ غلط نتیجہ برآمد کر لیا گیا ہے جب کہ اسباب اور ان پر مرتب ہونے والے احکام و آثار الگ الگ دو حقیقتیں ہیں۔ اسباب کے استعمال کا مکلف بندہ ہے اور ان اسباب پر احکام کا مرتب کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، لہٰذا جب شریعت کی جانب سے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں کام کا فلاں حکم ہے تو بندۂ مکلف سے جب بھی وہ فعل وجود میں آئے گا لامحالہ اس کا اثر اور حکم بھی ظہور پذیر ہوگا، البتہ اگر وہ فعل غیر مشروع طور پر اللہ تعالیٰ کی اذن و اجازت کے خلاف صادر ہوگا تو اس کا کرنے والا عند اللہ معصیت کار ہوگا اور اس عصیان پر اس سے مواخذہ ہو سکتا ہے۔ رہا معاملہ اس فعل پر اس کے حکم و اثر کے مرتب ہونے کا تو فعل کے جائز و ناجائز ہونے کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اس بات کو ایک مثال سے سمجھیے، اللہ تعالیٰ عز شانہ نے فعل مباشرت یعنی عورت کے ساتھ ہم بستری کو وجوب غسل کے لیے سبب بنایا ہے اب اگر کوئی شخص جائز طور پر اپنی بیوی سے مباشرت کرے تو اس پر شریعت کی رو سے غسل فرض ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی بدکار کسی اجنبی عورت کے ساتھ یہی کام کرے تو اس فعل کے حرام و ممنوع ہونے کے باوجود اس پر بھی شرعاً غسل فرض ہو جائے گا، افعال شرعی میں اس کے نظائر بہت ہیں اس موقع پر ان نظائر کا جمع کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ مسئلہ کی وضاحت پیش

نظر ہے اس لیے اسی ایک نظیر پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

بعینہٖ یہی صورت طلاق کی بھی ہے۔ اللہ رب العزت نے فعل طلاق کو قید نکاح سے رہائی کا سبب اور ذریعہ قرار دیا ہے لہٰذا جب شخص مکلّف سے فعل طلاق کا صدور ہوگا تو لازمی طور پر اُس کے اثر و حکم کا بھی ثبوت ہوگا۔ چاہے طلاق کا یہ عمل شریعت کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق وقوع میں آیا ہو یا غیر مشروع طور پر، البتہ غیر مشروع اور ممنوع طریقہ اختیار کرنے کی بنا پر وہ شریعت کی نگاہ میں قصووار ہوگا اور اس کی بندگی و اطاعت شعاری کا تقاضا ہوگا کہ ممکن حد تک اس غلطی کو درست کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی زوجہ کو بحالت حیض ایک طلاق دے دی تھی، جس کا ناجائز و ممنوع ہونا شرعاً مسلم ہے اس کے باوجود اس طلاق کو نافذ مانا گیا۔ پھر چونکہ یہ ایک طلاق تھی جس کے بعد رجعت کا حق باقی رہتا ہے۔ لہٰذا رجعت کر کے اس غلطی کی تلافی کا موقع تھا۔ اسی لیے ہادی اعظمؐ نے انھیں رجعت کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ رجعت کر لینے کے بعد اگر طلاق دینے ہی کی مرضی ہو تو طہر یعنی پاکی کے زمانہ میں جو مجامعت اور ہم بستری سے خالی ہو طلاق دینا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس طلاق کا واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن الکبریٰ، سنن دار قطنی وغیرہ کتب حدیث میں دیکھا جا سکتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ ممنوع اور ناجائز طور پر طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس صریح و صحیح نص کے مقابلہ میں اس قیاسی مفروضہ کی کیا حیثیت ہے یہ ارباب علم و دانش پر مخفی نہیں، عیاں را چہ بیاں۔

پھر یہ بات بھی کس قدر دلچسپ بلکہ مضحکہ خیز ہے کہ جو لوگ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو اس کے ممنوع و غیر مشروع ہونے کی بنا پر آیت کے عموم سے خارج اور غیر نافذ کہہ کر اسے ایک طلاق قرار دیتے ہیں وہی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تین طلاقوں کی یہ ایک طلاق بھی ممنوع غیر مشروع اور طلاق بدعی ہے پھر بھی یہ ممنوع طلاق نافذ ہو جائے گی جب کہ ان کے مفروضہ کے مطابق وہ نافذ نہیں ہونی چاہیے، ملاحظہ ہو گروہ اہل حدیث (غیر مقلدین) کے رئیس اعظم جناب نواب صدیق حسن خاں قنوجی مرحوم کے فرزند ارجمند جناب نواب میر نور الحسن خاں المتوفی ۱۳۳۶ھ کی حسب ذیل عبارت:

''واز ادلہ متقدمہ ظاہر است کہ سہ طلاق بیک لفظ یا در یک مجلس بدون تخلل

رجعت یک طلاق باشد اگر چہ بدعی بود ایں صورت منجملہ صور طلاق بدعی واقع است باآنکہ فاعلش آثم باشد نہ سائر صور بدعی کہ در آنہا طلاق واقع نمی شود''

(عرف الجادی من جنان ہدی الہادی ص ۱۲۱، م مطبع صدیقی بھوپال ۱۳۰۱ھ)

''اوپر بیان کردہ دلیلوں سے ظاہر ہے کہ ایک لفظ کی تین طلاقیں یا ایک مجلس کی تین طلاقیں جب کہ درمیان میں رجعت نہ ہوا ایک طلاق ہوگی اگر چہ یہ بھی بدعی ہوگی طلاق بدعی کی یہ قسم دیگر بدعی طلاقوں کے برخلاف نافذ ہوگی اور اس کا مرتکب گنہگار بھی ہوگا اور طلاق بدعی کی بقیہ ساری قسموں میں طلاق واقع نہیں ہوں گی۔''

سوال یہ ہے کہ ممنوع اور غیر مشروع ہونے میں ایک مجلس کی تین طلاقیں، اور تین طلاقوں کی یہ ایک طلاق دونوں برابر اور یکساں ہیں یا دونوں کی ممنوعیت و غیر مشروعیت میں تفاوت ہے اگر دونوں میں تفاوت اور کمی بیشی ہے تو اس تفاوت پر شرعی نص درکار ہے۔ بالخصوص جو لوگ دوسروں سے ہر بات پر کتاب و سنت کی نص کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں ان پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ پر قرآن و حدیث سے کوئی واضح دلیل پیش کریں اور اگر دونوں کی ممنوعیت یکساں ہے اور یہی بات جناب میر نور الحسن خاں مرحوم کی عبارت سے ظاہر ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ مفروضہ خود ان لوگوں کے نزدیک بھی مسلم اور قابل عمل نہیں ہے بلکہ مغالطہ اندازی کے لیے ایک ایسی بات چلتا کر دی گئی ہے جو واقعیت سے یکسر بے بہرہ اور محروم ہے۔

(۳) ''تلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا. الآیۃ''

''یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں جو کوئی اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اس کو کیا خبر کہ شاید اللہ پیدا کر دے اس طلاق کے بعد کوئی نئی صورت۔''

اس آیت پاک کا ظاہر یہی بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین طلاقوں کا جو حق مرد کو دیا ہے اگر وہ اس کو بیک دفعہ استعمال کر لے تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، البتہ ایسا کرنا خود اس کی اپنی مصلحت کے خلاف ہوگا، کیونکہ اگر تین طلاقوں کو ایک شمار کر کے حق رجعت دے دیا جائے تو پھر اس کہنے کا کیا معنی ہوگا کہ ''لاتدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا'' اسے کیا معلوم کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی صورت یعنی باہمی موافقت وغیرہ

کی صورت پیدا فرمادے، اس لیے کہ تین کو ایک شمار کرنے کی صورت میں تو رجعت کا حق اور موافقت کی صورت باقی ہی ہے۔

چنانچہ شارح صحیح مسلم امام نووی لکھتے ہیں۔

"احتج الجمهور بقوله تعالىٰ ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه الآية قالوا معناه ان المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكنه تداركه لوقوع البينونة فلو كانت الثلاث لاتقع ولم يقع طلاقه هذا الا رجعيا فلا يندم"

(صحیح مسلم مع الشرح، ج۱، ص ۴۷۸)

"جمہور نے تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد **و من يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه**" سے استدلال کیا ہے، یہ کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ طلاق دینے والے کو بسا اوقات اپنی حرکت پر ندامت ہوتی ہے تو بیک دفعہ تینوں طلاقیں دے دینے کی صورت میں زوجین کے درمیان جدائی واقع ہوجانے سے اس ندامت کا تدارک اور ازالہ نہ ہوسکے گا اگر بیک دفعہ کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتیں تو ندامت کس بات پر ہوتی۔ کیونکہ رجعت کے ذریعہ اس کے تدارک اور ازالہ کی گنجائش موجود ہی ہے۔"

اسی بات کو امام جصاص رازی اپنے انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں:

"ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه، يدل على انه اذا طلق لغير السنة وقع طلاقه وكان ظالما لنفسه بتعدية حدود الله لانه ذكر عقيب العدة فابان ان من طلق لغير العدة فطلاقه واقع لانه لو لم يقع طلاقه لم يكن ظالماً لنفسه ويدل على انه اراد وقوع طلاقه مع ظلم نفسه قوله تعالىٰ عقيبه، لاتدرى لعل الله يحدث بعد ذالك امرا، يعني يحدث له ندم فلا ينفعه لانه قد طلق ثلاثاً۔ (احکام القرآن، ج۳، ص ۴۵۴، مطبوعہ مصر)

"آیت پاک "**ومن يتعد حدود الله**" اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب مرد طلاق بدعی دے گا تو وہ واقع ہوجائے گی اور وہ اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی بنا پر اپنی ذات پر ظلم کرنے والا ہوگا یہ دلالت اس طور پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "**فطلقوهن لعدتهن**" (طلاق دو انہیں ان کی عدت پر) کے بعد اس آیت کو ذکر فرمایا ہے تو اس سے ظاہر ہوا کہ جو غیر عدت میں یعنی طلاق بدعی دے گا اس کی طلاق واقع ہوجائے گی ورنہ اپنی

ذات پر ظلم کرنے والا کیوں ہوگا اور اس بات پر دلالت کہ "**من يتعد حدود الله**" کی مراد اپنے نفس پر ظلم کرنے کے باوجود اس کی طلاق کا واقع ہوجانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد جو اس کے بعد آرہا ہے یعنی **لاتدرى لعل الله يحدث بعد ذالك امرا** یعنی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں طلاق پر ندامت پیدا کردے اور یہ ندامت اس کے واسطے مفید نہ ہوگی کیونکہ وہ تین طلاقیں دے چکا ہے۔"

علامہ علاء الدین ماردینی نے اس آیت کی یہی تفسیر قاضی اسمٰعیل کی کتاب احکام القرآن کے حوالے سے امام شعبی، ضحاک، عطاء، قتادہ، اور متعدد صحابہ سے نقل کی ہے (الجوہر النقی مع سنن الکبریٰ للبیہقی ج۷، ص ۳۲۸) نیز امام قرطبی علامہ جار اللہ زمخشری اور امام فخر الدین رازی نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں یہی لکھا ہے کہ اس آیت سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے وقوع کا ثبوت فراہم ہوتا ہے (دیکھئے الجامع لاحكام القرآن، للقرطبی، ج۱۸، ص ۱۵۶-۱۵۷ والکشاف للزمخشری ج۴، ص ۱۰۹، اور مفاتیح الغیب المشتهر بالتفسير الكبير الامام الرازی ج۸، ص ۱۵۹)

ان تینوں آیات قرآنیہ سے جن پر ائمہ تفسیر کی تشریحات کی روشنی میں گذشتہ صفحات میں بحث کی گئی ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں یا ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں تینوں واقع ہوجائیں گی اس کے برعکس کسی آیت سے اشارۃً بھی یہ بات نہیں نکلتی کہ بیک مجلس یا بیک کلمہ دی ہوئی تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی۔

(۲) سنت رسول اللہ ﷺ

(۱) حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے ایک بڑے مجمع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی سے لعان کیا تو اس کے بعد عرض کیا **كذبت عليها يا رسول الله ان امسكتها فطلقها ثلاثا قبل ان يامره رسول الله ﷺ**.

(بخاری باب من اجاز طلاق الثلاث، ج۲، ص ۷۹۱، ومسلم ج۱، ص ۴۸۹)

"یا رسول اللہ اگر میں اسے اپنے پاس روک رکھوں تو میں نے اس پر جھوٹ باندھا اس کے بعد اسے تین طلاقیں دے دیں قبل اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حکم دیتے۔"

امام نووی نے بحوالہ امام جریر طبری لکھا ہے کہ لعان کا یہ واقعہ سنہ ۹ ھ کا ہے۔ جس سے

معلوم ہوا کہ آیت پاک "الطلاق مرتان" کے ایک عرصہ بعد یہ پیش آیا ہے۔ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کی غیرت متقاضی تھی کہ اس بیوی سے فی الفور مفارقت ہو جائے اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوگی نہ ایک یا دو طلاقوں سے قطعی جدائی ہوگی اس لیے انھوں نے یہ کہتے ہوئے کہ اے رسول اللہ اگر لعان کے بعد بھی اسے اپنے نکاح میں باقی رکھوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس پر بہتان تراشی کی، اسی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔

اس حدیث کو امام مسلم نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔ دیگر ائمہ حدیث نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ مگر کسی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک مجلس دی گئی اس طلاق کو کالعدم یا ایک قرار دیا ہو بلکہ اس کے برعکس اسی واقعہ سے متعلق ابوداؤد کی روایت میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله ﷺ فانفذه رسول الله ﷺ وكان ماصنع عند رسول الله ﷺ وسلم سنت. (ابوداؤد ج ا، ص ۳۰۷)

"عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تین طلاقیں دے دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نافذ فرما دیا اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کیا وہی لعان میں طریقہ عمل قرار پایا۔"

اس روایت پر امام ابوداؤد اور محدث منذری نے کسی قسم کا کوئی کلام نہیں کیا ہے اور سنن ابی داؤد کی کسی روایت پر دونوں کا سکوت محدثین کے نزدیک اس کے قابل احتجاج ہونے کی علامت ہے مزید براں شوکانی نے "نیل الاوطار" میں اس حدیث کے بارے میں تصریح کی ہے کہ رجاله رجال الصحيح "اس حدیث کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔
اصول محدثین کے اعتبار سے اس ثابت شدہ روایت میں صحابی رسول حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی یہ تصریح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کی ایک مجلس میں دی ہوئی تینوں طلاقوں کو نافذ فرما دیا اس کی روشن دلیل ہے کہ بیک مجلس دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ امام المحدثین بخاری رحمہ اللہ علیہ کے تراجم ابواب کی نکتہ آفرینیوں سے واقف حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ انھوں نے "باب من اجاز

(جوز) طلاق الثلاث " کے تحت حضرت سہل بن سعد کی روایت لا کر ابوداؤد کی روایت میں آئی ہوئی اسی زیادتی کی جانب اشارہ کیا ہے۔ ابوداؤد کی یہ روایت چونکہ ان کی شرائط کے مطابق نہیں تھی اس لیے متن میں اسے نہ لاکر ترجمة الباب سے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ امام نسائی جیسا جلیل القدر امام حدیث بھی حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے تین طلاقوں کو تین ہی بتا رہا ہے۔
"باب من الرخصة في ذالك" (ایک مجلس میں تین طلاقوں کی رخصت کا باب) کے ذیل میں ان کا اس حدیث کا ذکر کرنا اس کا کھلا ثبوت ہے۔
مسئلہ زیر بحث میں یہ ایسی پختہ اور بے غبار دلیل ہے کہ اگر اس کے علاوہ اور دلیل نہ ہوتی تو تنہا یہی کافی تھی۔ اس حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں یہ کہنا کہ خود لعان ہی سے عویمرؓ اور ان کی بیوی کے درمیان فرقت ہو گئی تھی اور ان کی بیوی اجنبیہ ہو جانے کی بناء پر محل طلاق تھیں ہی نہیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس طرح طلاق دینے پر سکوت فرمایا۔ اور ابوداؤد کی روایت "فانفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم" کا یہ مفہوم بتانا کہ لعان سے جو تفریق ہو گئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنفیذ کے ذریعہ اس فرقت کو واضح اور لازم کر دیا علم وتحقیق کی نظر میں مجادلہ ومشاغبہ سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اس تاویل کی تمام تر بنیاد اس بات پر ہے کہ نفس لعان ہی سے زوجین کے درمیان مفارقت ہو جاتی ہے اور یہ بات خود محل نظر ہے کیونکہ لعان سے زوجین کی فرقت پر نہ لعان کا لفظ دلالت کرتا ہے اور نہ ہی کسی آیت یا کسی صریح حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ عربی زبان وادب سے واقف کون نہیں جانتا کہ 'لعان' کے لغوی معنی ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے کے ہیں اور قرآن حکیم نے فعل لعان کو 'شہادت' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔ "**والذين يرمون ازواجهم ولم يكن لهم شهداء الا انفسهم فشهادة احدهم اربع شهادات بالله**" اور جو لوگ زنا کی تہمت لگائیں اپنی بیویوں پر اور ان کے پاس بجز اپنی ذات کے کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے شخص کی گواہی کی صورت یہ ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر۔ اور حدیث میں اسے یمین (قسم) کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے اور شہادۃ ویمین میں سے کوئی بھی مفارقت کے معنی کو نہیں چاہتا خود حافظ ابن القیم لکھتے ہیں۔ "ولفظ اللعان لايقتضي فرقة فانه اما ايمان على زنا و

اماشهادة و کلاهما لایقتضی فرقة" (زادالمعاد ج ۲ ص ۳۰۶) اور لعان کا لفظ فرقت کو نہیں چاہتا کیونکہ لعان یا تو زنا پر قسمیں کھانے کے معنی میں ہے اور یا تو گواہی دینے کے معنی میں اور قسم و گواہی دونوں فرقت کو نہیں چاہتیں۔

قرآن حکیم کی کسی آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صریح حدیث سے بھی ثابت نہیں ہے کہ نفس لعان ہی سے زوجین کے درمیان فرقت ہوجائے گی۔ بلکہ ایک ضروری مصلحت کے تحت لعان کی بنا پر فرقت پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رشتہ ازدواج کو زوجین کے مابین رحمت و محبت کا وسیلہ بنایا ہے اور اسی رشتہ کی بنا پر زوجین ایک دوسرے سے سکون و چین حاصل کرتے ہیں۔ لیکن شوہر کی جانب سے بیوی پر زنا کا الزام عائد ہوجانے کے بعد باہمی رحمت و محبت کا یہ تعلق باقی نہیں رہ پاتا اور ایک دوسرے سے باہمی مخلصانہ ربط و ضبط نفرت و عار سے بدل جاتا ہے۔ ایسی صورت میں زوجین کی ظاہری مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ان میں فرقت اور جدائی ہوجائے۔

اس تفصیل سے یہ اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ لعان سے فرقت کوئی امر قطعی نہیں بلکہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔ اسی لیے فقہاء مجتہدین اس میں مختلف الرائے ہیں۔ چنانچہ امام ابوعبید کے نزدیک لعان کے بجائے "قذف" یعنی بیوی پر زنا کا الزام لگانے ہی سے فرقت ہوجائے گی۔ امام جابر بن زید (تلمیذ حضرت ابن عباسؓ و یکے از فقہائے تابعین) عثمان البتی، محمد بن صفر اور فقہائے بصرہ کی ایک جماعت کے نزدیک لعان سے فرقت ہوتی نہیں بلکہ اس کے بعد بھی شوہر کو اختیار ہے کہ بیوی کو بیوی بنائے رکھے۔ فقہائے احناف کا مسلک یہ ہے کہ لعان سے فرقت نہیں ہوگی بلکہ شوہر کو لعان کے بعد طلاق دینے، ظہار و ایلاء کرنے کی شرعاً گنجائش ہے۔ البتہ لعان کے بعد اسی مذکورہ مصلحت کے پیش نظر شوہر پر ضروری ہے کہ طلاق دے کر عورت کو اپنے سے الگ کردے۔ اور لعان کے برقرار رہتے ہوئے اگر شوہر طلاق نہ دے گا تو قاضی شرعی دونوں کے درمیان تفریق کردے گا۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ زوجین کے لعان سے فراغت کے بعد اسی لعان سے فرقت واقع ہوجائے گی۔ ایک روایت میں یہی مذہب امام احمد بن حنبل کا بھی ہے۔ اور ان کا دوسرا قول احناف کے مسلک کے مطابق ہے اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ صرف شوہر کے لعان ہی سے (عورت کے لعان سے پہلے) فرقت ہوجائے گی۔ (زادالمعاد ج ۲ ص ۳۰۶ و فتح الملہم ج ۳ ص ۵۰۷)

فقہائے مجتہدین کے مذاہب کی اس تفصیل سے واضح ہے کہ لعان سے تفریق ایک امر اجتہادی ہے۔ اور حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا لعان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاق دینا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر سکوت اور بروایت ابوداؤد آپ کا تینوں طلاقوں کو نافذ کردینا ایک امر منصوص ہے اور ظاہر ہے کہ مسئلہ اجتہادی کے مقابلہ میں ترجیح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل ہی کو ہوگی۔ یہی تمام محدثین و فقہاء کا مسلک ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر اور عمل کو نظر انداز کرکے یہ کہنا کہ لعان کی وجہ سے فرقت ہوگئی تھی اور حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کی طلاق بے موقع تھی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور **"فانفذه رسول الله صلی الله علیه وسلم"** کے صریح اور حقیقی معنی کو چھوڑ کر اسے زبردستی مجازی معنی پہنانا صحیح نہیں ہے۔ بالخصوص جو لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث کہلاتے ہیں اور دوسروں کو اہل الرائے ہونے کا طعنہ دیتے ہیں ان کے لیے تو یہ رویہ قطعی زیب نہیں دیتا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دلالت تقریر یا عمل کے مقابلے میں ایک مسئلہ اجتہادی کو فوقیت دیں اس لیے اس صریح و متفق علیہ روایت کے مقابلہ میں جو بات کہی جارہی ہے وہ محض مجادلہ اور اپنی رائے کی پاسداری ہے جس کی اہل انصاف کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

(۲) **"و عن عائشة رضی الله عنها ان رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوّجت فطلق فسئل النبی صلی الله علیه وسلم قال لاحتی یذوق عسیلتها کماذاق الاول"** (بخاری ج ۲ ص ۷۹۱ و مسلم ج ۱ ص ۴۶۳)

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں عورت نے دوسرا نکاح کرلیا اس شوہر نے طلاق دے دی تو آنحضرتؐ سے دریافت کیا گیا۔ کیا یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگئی آپؐ نے فرمایا نہیں تاوقتیکہ دوسرا شوہر پہلے کی طرح لطف اندوز صحبت نہ ہو پہلے کے لیے حلال نہیں ہوگی۔"

اس حدیث کو امام بخاری نے **"باب من اجاز (اوجوز) الطلاق الثلاث"** کے تحت ذکر کیا ہے۔ اور اس حدیث سے پہلے حضرت رفاعہ قرظی کے طلاق کے واقعہ کو ذکر کیا ہے لہٰذا حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی حضرت رفاعہ کے قصہ پر محمول کیا جائے تو یہ تکرار بے فائدہ ہوگی جو امام بخاری کی عادت کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں جب

دو حدیثیں مختلف سند اور مختلف سیاق سے وارد ہوں تو اصل یہی ہے کہ وہ دونوں دو الگ الگ حدیثیں ہیں اس لیے بلاوجہ اصل کو چھوڑ کر غیر اصل پر محمول کرنا یکسر تحکم ہے جو بحث و تحقیق کی دنیا میں لائق التفات نہیں ہے۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مسئلہ دریافت کیا گیا:

"عن الرجل یتزوّج المرأة فیطلقها ثلاثا فقالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتحل للاول حتی یذوق الآخر عسیلتها و تذوق عسلیته" (مسلم ج ۱، ص ۴۶۳ و سنن الکبریٰ مع الجوهر النقی ج۷، ص ۳۷۴ واللفظ له، دار قطنی ج ۲، ص ۴۳۸ میں بھی یہ حدیث ہے البتہ دارقطنی کے الفاظ یہ ہیں قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا طلق الرجل امراته ثلاثالم تحل له الخ)

"کہ ایک شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے پھر اسے تین طلاق دیتا ہے تو کیا اب پہلے شوہر کے لیے حلال ہوجائے گی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جواب میں فرمایا نبی کریم صلی کا ارشاد ہے کہ وہ عورت پہلے شخص کے لیے حلال نہیں ہوگی تاوقتیکہ دوسرا شوہر اس کی صحبت سے لطف اندوز نہ ہوجائے اور یہ عورت اس سے لطف اندوز نہ ہوجائے۔"

(۴) وعن انس رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله ﷺ سئل عن رجل کانت تحته امرأة فطلقها ثلاثاً فتزوّجها بعده رجل فطلقها قبل ان یدخل بها اتحل لزوّجتها الاوّل فقال رسول الله ﷺ لاحتی یذوق الآخر ماذاق الاوّل من عسیلتها وذاقت عسیلته' رواه احمد و البزار و ابویعلی الا انه قال "فمات عنها قبل ان یدخل بها" والطبرانی فی الاوسط ورجاله رجال الصحیح خلا محمد بن دینار الطاحی وقد وثقه ابوحاتم و ابو زرعة و ابن حبان وفیه کلام لایضر۔ (مجمع الزوائد، ج۴، ص۳۴۰)

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں اور اس نے کسی اور مرد سے نکاح کرلیا تھا اور اس دوسرے شوہر نے خلوت سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی تھی کیا یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک یہ دوسرا شوہر اس کی صحبت سے لطف نہ

اُٹھالے اور عورت اس کی صحبت کا مزہ نہ چکھ لے پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی۔ اس حدیث کی امام احمد، امام بزار اور امام ابویعلی نے اپنے اپنے مسانید میں تخریج کی ہے البتہ ابویعلی کی روایت میں "**فطلقها قبل ان یدخل بها**" کی بجائے۔ "**فمات عنها قبل ان یدخل بها**" ہے اور امام طبرانی نے معجم اوسط میں اس کا ذکر کیا ہے۔ محمد بن دینار الطاحی کے علاوہ اس کی سند کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں اور محمد بن دینار کی امام ابوحاتم، امام ابوزرعہ اور ابن حبان نے توثیق کی ہے اور بعض ائمہ جرح نے ان کے بارے میں جو کلام کیا ہے وہ ان کی ثقاہت کے لیے مضر نہیں ہے۔"

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب التہذیب میں ان کے بارے میں لکھا ہے۔

"**صدوق سنی الحفظ ورمی بالقدر و تغیر قبل موته**" (مجمع الزوائد ج ۴، ص ۴۷۷).

سنی الحفظ کی روایت شواہد اور متابع کی بناء پر حسن کے درجہ سے کم نہیں ہوتی اور حسن سب کے نزدیک قابل احتجاج ہے اس روایت کی تائید او پر مذکور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دونوں روایتوں سے ہورہی ہے۔

ان تینوں حدیثوں میں طلق ثلاثا کا ظاہر یہی ہے کہ تینوں طلاقیں ایک ساتھ دی گئی تھیں چنانچہ حافظ ابن حجر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں۔ "**فالتمسک بظاهر قوله طلقها ثلاثا فانه ظاهر فی کونها مجموعة**" یعنی امام بخاری کا استدلال **طلقها ثلاثا** کے ظاہر سے ہے کیونکہ اس کا ظاہر تین مجموعی طلاقوں کو ہی بتارہا ہے۔ اور نص کا مدلول ظاہر بلا اختلاف سب کے نزدیک قابل استدلال اور واجب العمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اصول فقہ کی کتابوں میں مصرح ہے۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سائل سے بغیر یہ تفصیل معلوم کئے کہ تین طلاقیں ایک مجلس میں دی گئی ہیں یا الگ الگ تین طہروں میں یہ جواب دینا کہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ دوسرے شوہر کی صحبت سے لطف اندوز نہ ہولے اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ تین طلاقیں جس طرح سے بھی دی جائیں گی تین ہی ہوں گی۔

پھر "انت طالق ثلاثا" کا جملہ یا "طلق ثلاثا" تین طلاقیں دے دیں سے بیک تلفظ تین طلاقوں کا مراد لینا زبان و ادب کے لحاظ سے بغیر کسی شک وشبہ کے درست ہے۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ جلیل امام ابویوسف نے نحو کے عظیم المرتبت

استاذ امام کسائی سے عربی شاعر کے درج ذیل شعر:

فانت طالق و الطلاق عزیمة ثلاثا یخرق اعق و اظلم

کے بارے میں سوال کیا کہ اس شعر میں عزیمة ثلاث و ثلاثا کو مرفوع و منصوب دونوں طرح پڑھا گیا ہے لہٰذا بتایئے کہ رفع کی صورت میں کتنی اور نصب کی صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوں گی۔ امام کسائی نے جواب دیا جس نے ''عزیمة ثلاث'' رفع کے ساتھ پڑھا اس نے صرف ایک طلاق دی اور اپنی بیوی کو بتا دیا کہ طلاق قطعی تو تین ہیں۔ اور جس نے ثلاثا نصب کے ساتھ پڑھا تو اس نے اکٹھی تینوں طلاقیں واقع کر دیں اور بیوی کو اپنے سے علیحدہ کر دیا کیونکہ اس صورت میں یہ ''انت طالق ثلاثا'' کے معنی میں ہے یعنی تجھ پر تین طلاقیں ہیں اور یہ طلاق قطعی ہے۔ (الاشباہ و النظائر از امام سیوطی ج ۳، ص ۴۲- ۴۳)

امام النحو الکسائی کے اس جواب سے بصراحت یہ بات معلوم ہوگئی کہ ''انت طالق ثلاثا'' کا جملہ نحو اور محاورہ کے اعتبار سے صحیح ہے اور اس طرح طلاق دینے سے تینوں طلاقیں بیک وقت پڑ جائیں گی۔

علاوہ ازیں سنن الکبریٰ میں صحیح سندوں کے ساتھ روایتیں موجود ہیں جن میں مذکور ہے۔ ''**طلق رجل امراته عدد النجوم**'' کسی نے اپنی بیوی کو بقدر ستاروں کی تعداد کے طلاق دے دی، بعض روایتوں میں ہے ''**طلقت امراتی مائة**'' میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں، بعض میں یہ الفاظ ہیں، **طلق امراته الفا** ''فلاں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے دیں۔ (سنن الکبریٰ مع الجوہر النقی ج ۷، ص ۳۳۷- ۳۳۸) مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، دارقطنی وغیرہ، کتب حدیث میں اس طرح کی مزید مثالیں مل سکتی ہیں۔ یہ روایتیں اس باب میں گویا صریح ہیں کہ مذکورہ طلاقیں بیک تلفظ دی گئی ہیں۔ کیونکہ اگر یہ طلاقیں الگ الگ مختلف مجلسوں میں مانی جائیں تو لازم آئے گا کہ عہد تابعین میں جو اسلامی علوم و فنون کا عہد زریں کہلاتا ہے لوگ طلاق کی آخری حد سے بھی واقف نہیں تھے کہ تین طلاقوں کے بعد بھی مزید طلاقیں دے دیا کرتے تھے اور اس دور کے بارے میں یہ خیال بلاشبہ درست نہیں ہے۔ اس لیے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انت طالق ثلاثا یا طلق ثلاثا سے اکٹھی تین طلاقیں مراد لینا صحیح نہیں خود ان کا یہ دعویٰ ہی صحیح نہیں ہے اور اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں وہ کوئی صحیح روایت پیش نہیں کر سکتے۔

(۵) عن الحسن قال حدثنا عبدالله بن عمر انه طلق امرأته تطليقة وهي حائض ثم اراد ان يتبعها تطليقتين اخريين عند القرئين الباقيين فبلغ ذالک رسول الله ﷺ فقال یاابن عمر ماهكذا امرک الله انک قد اخطات السنة والسنة ان تستقبل الطهر فتطلق لكل قرء قال فامرني رسول الله ﷺ فراجعتها ثم قال اذا طهرت فطلق عند ذالک او امسک فقلت يا رسول الله افرايت لواني طلقتها ثلاثاً كان يحل لي ان اراجعها قال كانت تبين منک وتكون معصية، قلت (الهيثمي؛ لابن عمر حديث في الصحاح بغير هذا السياق. رواه الطبراني وفيه علي بن سعيد الرازي قال الدار قطني، ليس بذاک، وعظمه غيره وبقية رجاله ثقاة ۔(مجمع الزوائد، ج ۴، ص ۳۳۶ و سنن الکبری مع الجوہر النقی ج ۷، ص ۳۳۰ و دارقطنی ج ۲، ص ۴۳۸)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو بحالت حیض ایک طلاق دے دی پھر ارادہ کیا کہ دو بقیہ طلاقیں ''قرء'' کے وقت دے دیں یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا اے ابن عمرؓ اس طرح اللہ نے تم کو طلاق دینے کا حکم نہیں دیا ہے تو نے طریقہ شرعی میں غلطی کی طریقہ یہ ہے کہ تو طہر کا انتظار کرے پھر طلاق دے ہر طہر میں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رجعت کا حکم دیا تو میں نے رجعت کر لی پھر فرمایا کہ جب پاک ہو جائے تو ہر پاکی میں ایک طلاق دو یا روک لو، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتائیں، اگر میں اسے تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے رجعت حلال ہوتی، آپ نے فرمایا نہیں وہ تم سے جدا ہو جاتی اور تمھاری یہ کارروائی معصیت ہوتی۔

علامہ ہیثمی کہتے ہیں کہ صحاح میں ابن عمرؓ کی حدیث اس سیاق کے بغیر ہے ''اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں بجز علی بن سعید رازی کے انھیں دارقطنی نے ''لیس بذاک'' کہا ہے اور باقی علمائے جرح و تعدیل ان کی عظمت کے معترف ہیں'' انتہی کلامہ۔

چنانچہ حافظ بن حجر انھیں ''الحافظ رحال'' کہتے ہیں امام ابن یونس کہتے ہیں کہ یہ صاحب فہم و حفظ تھے اور مسلمہ بن قاسم ان کو ثقہ و عالم بالحدیث کہتے ہیں۔ (لسان المیزان

ج۳،ص۲۳۱) سنن دارقطنی میں اس حدیث کی سند کے رجال یہ ہیں "**علی بن محمد بن عبید الحافظ نامحمد بن شاذان الجوهری نامعلی بن منصور ناشعیب بن زریق ان عطاء الخراسانی حدثهم عن الحسن قال نا عبدالله بن عمر رضی الله عنه**" اور سنن الکبریٰ کی سند یوں ہے "**اخبرنا ابو عبدالله الحافظ (المعروف بالحاکم صاحب المستدرک) وابوبکر احمد بن الحسن القاضی قالا انا ابوالعباس محمد بن یعقوب نا ابوامیه الطرسوسی نا معلی بن منصور الرازی ناشعیب بن زریق ان عطاء الخراسانی حدثه عن الحسن قال حدثنا عبدالله بن عمر رضی الله عنه.**"

حافظ ابن القیم نے سند کے ایک راوی شعیب بن زریق کو ضعیف کہا ہے اور انھیں کی وجہ سے اس حدیث کی تضعیف کی ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ حافظ ابن القیم کا شعیب کو ضعیف قرار دینا بالکل بیجا ہے اس لیے کہ ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی نے ان کی تضعیف نہیں کی ہے ہاں ابوالفتح ازدی نے بیشک ان کو لین کہا ہے اور یہ نہایت کمزور جرح ہے علاوہ بریں ابوالفتح ازدی کی جرحیں محدثین کے نزدیک ناقابل اعتبار ہیں اس لیے کہ وہ خود ضعیف وصاحب مناکیر اور غیر مرضی ہیں پھر وہ بے سند و بے وجہ جرح کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اس سند کے دوسرے راوی عطا خراسانی کے بارے میں بعض حضرات نے کلام کیا ہے۔
لیکن یہ کلام بھی اصول محدثین کے اعتبار سے غیر مضر ہے یہی وجہ ہے کہ اکابر حدیث و ماہرین رجال وائمہ مسلمین نے ان سے روایت کی ہے بلکہ ان کے شاگردوں میں ایسے حضرات بھی ہیں جن کا کسی سے روایت کرلینا اس کی ثقاہت کی کافی سند ہے جیسے امام شعبہ، امام مالک اور امام ابوحنیفہ، معمر، سفیان ثوری اور امام اوزاعی وغیرہ۔ پھر امام بخاری کے علاوہ جملہ اصحاب صحاح نے ان کی روایتیں لی ہیں اور امام مسلم نے تو احتجاج بھی کیا ہے جو ان کی ثقاہت کی بین دلیل ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے الاعلام المرفوعہ از محدث اعظمی ص۴ تا۸) علاوہ ازیں عطاء خراسانی اس روایت میں متفرد نہیں ہیں بلکہ ان کے متابع شعیب بن زریق ہیں کیونکہ اس روایت کو شعیب بلاواسطہ امام حسن بصری سے روایت کرتے ہیں اور عطا کے واسطے سے بھی چنانچہ امام طبرانی کہتے ہیں "**حدثنا علی بن سعید الرازی حدثنا یحییٰ بن عثمان بن سعید بن کثیر الحمصی حدثنا ابی حدثنا**

شعیب بن زریق قال حدثنا الحسن حدثنا عبدالله بن عمر الحدیث۔"
(براہین الکتاب والسنہ للشیخ سلامۃ القضاعی ص۲۴۴)

اس لیے عطاء الخراسانی کے تفرد کی بنا پر اگر کچھ ضعف تھا تو وہ بھی ختم ہوگیا۔ محدثین کا یہ بھی اصول ہے کہ مرسل روایت یا ایسی مسند روایت جس میں کچھ ضعف ہو اور جمہور ائمہ کا اس پر تعامل ہو تو اس تعامل سے وہ ضعف ختم ہوجاتا ہے۔

"**واذا ورد حدیث مرسل او فی احدنا قلیه ضعف فوجدنا ذالک الحدیث مجمعا علی اخذه والقول به علمنا یقینا انه حدیث صحیح لاشک فیه۔**" (توجیہ النظر الی اصول الاثر، ص۵۰)

"جب کوئی حدیث مرسل ہو یا اس کے کسی راوی میں ضعف ہو اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس پر عمل کرنے میں ائمہ مجتمع ہیں تو ہمیں یقینی طور پر یہ معلوم ہوجائے گا کہ اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے۔"

اس لیے بلاشبہ یہ حدیث لائق احتجاج اور قابل استدلال ہے اور اس مسئلہ میں نص صریح ہے کہ اکٹھی تین طلاقوں سے عورت نکاح سے بالکلیہ خارج ہوجائے گی اور رجعت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی البتہ اس طرح طلاقیں دینا خلاف شرع ہے اس لیے ایسا کرنا معصیت شمار ہوگا۔

(۶) وعن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال المطلقة ثلاثاً لاتحل لزوجها الاوّل حتی تنکح زوجاً غیره ویخالطها ویذوق عسیلتها. "رواه الطبرانی وابویعلی الا انه قال بمثل حدیث عائشة وهو نحو هذا و رجال ابو یعلی رجال الصحیح۔" (مجمع الزوائد، ج۴، ص۳۴۰)

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین طلاق یافتہ عورت اپنے اول شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی تاوقتیکہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے اور اس سے ہم بستر ہو اور اس کی صحبت سے لطف اندوز ہو۔ علامہ ہیثمی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام ابویعلی دونوں نے تخریج کی ہے اور ابویعلی کی سند کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔"

"المطلقہ ثلاثا" کا جملہ اپنے ظاہر کے اعتبار سے مجموعی طلاقوں پر دلالت کرتا ہے اس

لیے یہ حدیث بھی تین طلاقوں کے تین شمار کیے جانے کی قوی دلیل ہے۔

(۷) عن سويد بن غفلة قال كانت عائشة الخثعمية عند الحسن بن علي رضي الله عنه فلما قتل علي رضي الله عنه قالت لتهنئك الخلافة قال بقتل علي تظهرين الشماتة اذهبي فانت طالق يعني ثلاثاً قال فتلفف بثيابها وقعدت حتى مضت عدتها فبعث اليها ببقية بقيت لها من صداقها وعشرة الاف صدقة فلما جاء ها الرسول قالت "متاع قليل من حبيب مفارق" فلما بلغه قولها بكى ثم قال لولا اني سمعت جدي او حدثني ابي انه سمع جدي" يقول ايما رجل طلق امرأته ثلاثاً عند الاقراء و ثلاثاً مبهما لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره لراجعتها۔" (سنن الکبریٰ، ج ۷، ص ۳۳۶، واللفظ لہ والدارقطنی ج ۲ ص ۴۳۷)

قال الحافظ ابن رجب الحنبلي اسناده صحيح (الاشفاق للشیخ الکوثری، ص ۳۸)
وقال الهيثمي رواه الطبراني وفي رجاله ضعف وقد وثقوا۔

(مجمع الزوائد، ج ۴، ص ۳۳۹)

"سوید بن غفلہ روایت کرتے ہیں کہ عائشہ خثعمیہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں، جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو عائشہ نے حضرت حسنؓ سے کہا کہ خلافت مبارک ہو (اس بے موقع کی مبارک باد پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ناگواری ہوئی) اور فرمایا کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اظہار مسرت کر رہی ہے؟ جا تجھے تین طلاقیں ہیں۔ سوید کہتے ہیں کہ عائشہ نے (بغرض پردہ) اپنے کپڑوں کو اچھی طرح اوڑھ لیا اور عدت میں بیٹھ گئیں۔ عدت پوری ہو جانے کے بعد وہ اپنے گھر چلی گئیں تو حضرت حسنؓ نے مہر کی بقیہ رقم (جو ابھی ادا نہیں ہوئی تھی) کے ساتھ دس ہزار روپے مزید ان کے پاس بھجوا دیئے۔ حضرت حسنؓ کا قاصد یہ رقم لے کر جب ان کے پاس پہنچا تو اظہار حسرت کرتے ہوئے عائشہؓ نے کہا "متاع قليل من حبيب مفارق" جدا ہونے والے محبت کی جانب سے یہ رقم قلیل ہے۔ جب حضرت حسنؓ کو عائشہ کی بے قراری کا حال معلوم ہوا تو رو دیئے اور فرمایا اگر اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے یہ نہ سنا ہوتا: یا یہ فرمایا کہ اگر میرے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے میرے نانا جان کی یہ

حدیث نہ سنائی ہوتی کہ آپ نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کو تین طہروں میں تین طلاقیں دے دے یا ایک ہی دفعہ تینوں طلاقیں دے دے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگی تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کر لے۔ تو میں یقیناً اس سے رجوع کر لیتا۔" حافظ ابن رجب حنبلی نے اس روایت کی سند کو صحیح کہا ہے۔ اور علامہ ہیثمی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی تخریج امام طبرانی نے کی ہے اور اس کی سند کے رجال میں کچھ ضعف ہے اور ان کی توثیق بھی کی گئی ہے علامہ ہیثمی کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ طبرانی کی سند سے یہ روایت درجہ حسن سے کم نہیں ہے۔

یہ حدیث اس بات میں نص صریح ہے کہ جس طرح متفرق تین طہروں میں تین طلاق دینے سے عورت حرام ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح بیک مجلس و بیک تلفظ تین طلاقیں دینے سے بھی حرام ہو جائے گی۔ طلاق کی دونوں صورتوں کا ایک ہی حکم ہے۔

جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) کے مشہور عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی اس حدیث کے دو راویوں عمر بن ابی قیس الرازی اور ان کے تلمیذ سلمہ بن الفضل قاضی الرائے پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"في اسناده عمر بن ابي قيس الرازي الازرق صدوق له اوهام، قال ابوداؤد لاباس به في حديثه خطاء ورواية سلمة بن الفضل قاضي الراى ضعفه ابن راهويه وقال البخاري في احاديثه بعض المناكير وقال ابن معين هو يتشيع وقد كتبت عنه وليس به باس قال ابوحاتم لايحتج به وقال ابوزرعة كان اهل الراى لايرغبون فيه لسوء رايه وظلم فيه۔

(المغنی شرح الدارقطنی، ج ۲، ص ۴۳۷)

استاذ و شاگرد سے متعلق یہ جرحیں اصول محدثین کے اعتبار سے غیر قادح غیر مضر ہیں۔ کیونکہ (الف) صدوق کے بعد اوہام کہنے سے راوی کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا چنانچہ غیر مقلدین کے محدث کبیر حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے ابکار المنن میں اس کی تصریح کی ہے۔ (ب) فی حدیثہ خطاء بھی انتہائی معمولی جرح ہے جس سے راوی کی ثقاہت مجروح نہیں ہوتی (ج) اور سلمہ بن الفضل کے بارے میں امام اسحاق راہویہ کی جرح مبہم ہے اور محدثین جرح مبہم کا اعتبار نہیں کرتے۔ (د) وقال البخاری فی احادیثہ بعض المناکیر ان کی حدیثوں میں بعض منکر روایتیں ہیں۔" یہ جرح بھی غیر مضر ہے چنانچہ مولانا

عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری لکھتے ہیں کہ ''**واما قول البخاری عنده مناکیر فلا یقتضی ضعفه قال الذہبی ما کل من روی المناکیر بضعیف** '' (ابکار المنن ص۱۰۷، بحوالہ الازہار المربوعہ ص۹۰) بخاری کا یہ قول ''عندہ مناکیر'' راوی کے ضعف کا مقتضی نہیں ہے چنانچہ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ ہر وہ شخص جو منکر روایتیں بیان کرتا ہے ضعیف نہیں ہے۔ (ہ) **وقال ابن معین ہو یتشیع** ،ابن معین نے کہا وہ تشیع کی جانب مائل تھے۔ یہ جرح بھی بے ضرر ہے۔اس لیے کہ محدثین کی اصطلاح میں تشیع کہتے ہیں حضرت علی کے ساتھ محبت اور صحابہ پر انھیں مقدم کرنے کو چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ **و التشیع محبة علی و تقدیمه علی الصحابة فمن قدمه علی ابی بکر و عمر فهو غال فی تشیعه و یطلق علیه رافضی و الا فهو شیعی** (مقدمہ فتح الباری ص۵۴۰-۵۴۱، بحوالہ الازہار المربوعہ ص۸۴) شیعیت، حضرت علی کی محبت اور انھیں صحابہ پر ترجیح دینے کو کہتے ہیں اور جو شخص حضرت علی کو حضرت ابوبکر وعمر پر مقدم رکھے وہ غالی شیعہ ہے اور ایسے شخص کو رافضی کہا جاتا ہے۔ورنہ وہ محض شیعہ ہوتا۔ تشیع کے الزام سے راوی ضعیف نہیں ہوتا چنانچہ بخاری ومسلم کے بہت سے راویوں پر تشیع کا الزام ہے۔لیکن اسے قادح اور مضر نہیں سمجھا جاتا۔(و) ''**وقال ابوحاتم لایحتج به** ''ابوحاتم نے کہا سلمہ بن الفضل قابل احتجاج نہیں ہیں۔ یہ جرح مبہم معتبر نہیں علاوہ ازیں امام ابوحاتم جرح میں متشدد ہیں اور متشدد کی جرح محدثین کے نزدیک لائق اعتبار نہیں ہے۔خود مولانا عبدالرحمٰن محدث لکھتے ہیں ''**واما قول هذا حاتم فی "الدراوردی" لایحتج به فغیر قادح فانه قد قال هذه اللفظ فی رجال کثیرین من رجال الصحیین** '' (ابکار المنن ص۲۲۶، بحوالہ الازہار المربوعہ ص۹۳) ابوحاتم کا ''**لایحتج به** '' کہنا قادح نہیں ہے۔انھوں نے یہ لفظ صحیحین کے بہت سے راویوں کے حق میں استعمال کیا ہے۔(ز) **قال ابوزرعه کان اهل الری لایرغبون فیه لسوء رائه وظلم فیه**، امام ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ رے کے لوگ انھیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے کیونکہ ان کی رائے میں عیب تھا۔اور ان میں کچھ ظلم بھی تھا'' یہ جرح کے الفاظ ہیں ہی نہیں لہٰذا انھیں جرح کے ذیل میں لکھنا علم وانصاف کے خلاف ہے۔(تفصیل کے لیے دیکھئے الازہار المربوعہ ص۸۸تا۹۶، از محدث اعظمی)

علاوہ ازیں عمرو بن قیس سے امام بخاری تعلیقاً روایت کرتے ہیں، امام ابوداؤد، امام

ترمذی اور امام نسائی نے ان سے احتجاج کیا ہے۔عبدالصمد بن عبدالعزیز المقری کہتے ہیں کہ رے کے کچھ لوگ امام سفیان ثوری کے پاس حدیث کی سماعت کے لیے گئے تو انھوں نے کہا کہ کیا تمھارے یہاں عمرو بن القیس نہیں ہیں؟ امام ابوداؤد نے کہا کہ ان کی حدیث میں خطا ہوتی ہے اور دوسرے موقع پر فرمایا کہ وہ ''لاباس بہ'' ہیں ابن حبان اور ابن شاہین ان کو ثقات میں شمار کرتے ہیں عثمان بن ابی شیبہ نے کہا وہ لاباس بہ ہیں ہاں حدیث میں ان سے کچھ وہم ہوجاتا ہے۔امام ابوبکر البزار انھیں مستقیم الحدیث کہتے ہیں۔(تہذیب التہذیب ج۸،ص۹۴)

اور سلمہ بن الفضل کو امام معین ایک روایت میں ثقہ اور ایک میں ''لیس بہ باس'' کہتے ہیں۔علامہ بن سعد ان کو ثقہ وصدوق کہتے ہیں۔محدث ابن عدی جو متشددین میں شمار ہوتے ہیں فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث میں غرائب افراد تو ہیں لیکن میں نے ان کی کوئی حدیث ایسی نہیں دیکھی جو انکار کی حد تک پہنچتی ہو۔ان کی حدیثیں لائق برداشت ہیں۔ابن حبان ان کو ثقات میں شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''یخطی ویخالف'' اور یہ کوئی جرح نہیں ہے امام ابوداؤد ان کو ثقہ کہتے ہیں۔(تہذیب التہذیب ج۴،ص۱۵۳) البتہ امام اسحاق بن راہویہ اور امام نسائی نے انھیں ضعیف کہا ہے۔امام نسائی متشدد ہیں پھر یہ جرح مبہم بھی ہے جو قابل اعتبار نہیں۔امام الحاتم ''لیس بالقوی'' کہتے ہیں اس جرح کو مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے مبہم اور بے ضرر بتایا ہے۔(ازہار المربوعہ،ص۹۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ''حسن'' سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔اور حدیث حسن جمہور محدثین کے نزدیک قابل احتجاج ہے اور اس حدیث سے یہ بات روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ ایک تلفظ میں دی گئیں تین طلاقیں اور الگ الگ تین طہروں میں تین طلاقیں دونوں حکم میں یکساں ہیں۔

(۸) عن نافع بن عجیر بن عبد یزید ان رکانة بن عبد یزید طلق امرأته سهیمة المزنیة البتة ثم اتی رسول الله ﷺ فقال یا رسول الله انی طلقت امرأتی سهیمة البتة والله مااردت الا واحدة فقال رسول الله ﷺ لرکانة والله مااردت الا واحدة فقال رکانة والله مااردت الا واحدة فردها الیه رسول الله ﷺ فطلقها الثانیه فی زمن عمر رضی الله عنه والثالثة فی زمن عثمان رضی الله عنه. (ابوداؤد ج۱، ص۳۰۰، المستدرک ج۲، ص۱۹۹، والدار

قطنی ج ۲، ص ۳۳۸، سنن الکبریٰ مع الجوهر النقی، ج۷، ص ۳۴۲، واللفظ له ورواه امام شافعی فی الام وابن ماجه فی سننه و الترمذی فی جامعه)

"حضرت نافع بن عجیر بن عبد یزید روایت کرتے ہیں کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ مزنیہ کو طلاق البتہ دے دی بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا اے رسول اللہؐ میں نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق البتہ دے دی اور بخدا میری نیت صرف ایک طلاق کی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قسم دے کر دریافت فرمایا کہ کیا تمھاری نیت صرف ایک ہی طلاق کی تھی۔ انھوں نے عرض کیا اللہ کی قسم میری نیت صرف ایک ہی کی تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی انھیں واپس لوٹا دی۔ پھر رکانہ نے اسے دوسری طلاق عہد فاروقی میں اور تیسری طلاق دورِ عثمان غنیؓ میں دے دی۔"

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی واقع ہو جاتی ہیں ورنہ رکانہ سے قسم دے کر یہ پوچھنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ "واللہ ماأردت الا واحدة" خدا کی قسم کھا کر کہو کہ صرف ایک ہی طلاق کی نیت تھی۔ یہ سوال اسی وقت درست ہوسکتا ہے جب ایک کا ارادہ کرنے سے ایک اور تین کا ارادہ کرنے سے تین طلاقیں واقع ہوں۔ اگر دونوں صورتوں میں ایک ہی واقع ہوتی تو یہ سوال بے معنی ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ اس طرح کا بے معنی سوال فرمائیں گے۔

یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ انھوں نے کتاب الام میں دو مسئلوں پر اس سے استدلال کیا ہے۔ (کتاب الام ج۵، باب ان البتة فی الطلاق قدینوی بها الثلاث و باب الحجة فی البتة وما اشبها)

اور "استدلال المجتهد بحديث تصحيح له" مجتہد کا حدیث سے استدلال اس کو صحیح قرار دینا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "صححه ابو داؤد و ابن حبان والحاكم" (تلخیص الحبیر ص ۳۱۹) اس حدیث کو امام ابوداؤد وابن حبان اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے اور حاکم کی تصحیح کو امام ذہبی نے تسلیم کیا ہے۔ (المستدرک، مع تلخیص الذہبی ج ۲، ص ۱۹۹) لہٰذا اصول محدثین کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح اور قابل استدلال ہے۔ امام دارقطنی بھی لکھتے ہیں کہ "وقال ابوداؤد" "وہذا حدیث صحیح۔" (سنن الدارقطنی مع التعلیق المغنی، ج ۲، ص ۳۳۹) اور اس تصحیح پر امام دارقطنی نے سکوت کیا ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک

بھی یہ حدیث صحیح ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ "انه حديث حسن" بلاشبہ یہ حدیث حسن ہے۔ (اضواء البیان ج۱) امام ابن ماجہ کے شیخ محدث قزوین حافظ ابوالحسن علی بن محمد طنافسی اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "ما اشرف ہذا الحدیث" (ابن ماجہ ص ۱۴۹) یہ حدیث کیا ہی عمدہ و بلند ہے۔ خود امام شوکانی نیل الاوطار میں رقم طراز ہیں "اثبت ما روى فى قصة ركانة انه طلقها البتة لا ثلاث" (نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۴۶) قصہ رکانہ میں پایہ ثبوت کو یہی بات پہنچی ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی تین طلاقیں نہیں دی تھیں۔ نیز حافظ ابن القیم نے بھی طلاق کنائی کی بحث میں استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "وقد استحلف النبى صلى الله عليه وسلم ركانة لما طلق امرأته البتة" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ سے قسم لی جب انھوں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہی درست ہے کہ رکانہ نے طلاق البتہ دی تھی نہ کہ تین طلاقیں۔ (زاد المعاد ج ۲، ص ۲۴۲ طبع مصر) مزید براں اس حدیث کی تائید اوپر مذکور حدیث ابن عمر، حدیث حسن بن علی، اور حدیث سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہم سے بھی ہوتی ہے۔

اس حدیث کی ایک سند یہ ہے "الامام الشافعي انا عمي محمد بن علي بن شافع عن عبدالله بن علي بن السائب عن نافع بن عجير بن عبد الله يزيد ان ركانه بن عبد يزيد طلق الخ الحديث۔"

(۱) امام شافعی تو امام شافعی ہی ہیں۔ ان کی ثقاہت، و عدالت محتاج تعارف نہیں ہے۔

(۲) محمد بن علی بن شافع کی امام شافعی نے توثیق کی ہے۔

(۳) عبداللہ بن علی بن السائب کو بھی امام شافعی نے ثقہ بتایا ہے اور ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی سے ان دونوں حضرات کے بارے میں جرح منقول نہیں ہے۔ لہٰذا بلاشبہ یہ دونوں ثقہ ہیں۔

(۴) نافع بن عجیر، ان کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ نیز ابن حبان، امام ابوالقاسم بغوی، ابونعیم، ابوموسیٰ وغیرہ ائمہ حدیث و رجال انھیں صحابی بتاتے ہیں اور محدثین کا اصول ہے کہ "كل من اختلف فى صحبته فهو تابعي ثقة على الاقل" ہر وہ شخص جس کے صحابی ہونے اور یا نہ ہونے میں اختلاف ہو وہ کم از کم ثقہ تابعی ہوگا۔ (قواعد علوم الحدیث از

محدث ظفر احمد تھانوی، ص ۲۱۵)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بلاغبار صحیح الاسناد ہے۔ رہا حافظ ابن القیم کا یہ کہنا کہ نافع بن عجیر **المجهول الذی لا یعرف حاله ولا یدری من هو ولا ماهو۔** (زاد المعاد ج ۲، ص ۲۶۰) نافع بن عجیر مجہول ہیں جن کے متعلق معلوم نہیں کہ وہ کون اور کیسے ہیں۔ ایک قول بے معنی ہے کیونکہ لاعلمی، علم پر راجح وحاکم نہیں ہوسکتی اور اوپر بحوالہ حافظ ابن حجر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ابن حبان، امام بغوی، ابونعیم، ابوموسیٰ وغیر علماء رجال وحدیث کے نزدیک نافع بن عجیر معلوم ومعروف ہیں۔ بلکہ اصحاب رسول میں شامل ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰، ص ۳۶۴-۳۶۵) علم حدیث سے شغف رکھنے والا کون نہیں جانتا کہ علامہ ابن حزم کے نزدیک مشہور امام حدیث ابوعیسیٰ، ترمذی (یکے از اصحاب ستہ) کے مجہول ہونے سے امام ترمذی کی شہرت وعظمت ذرہ برابر بھی متاثر نہیں ہوئی۔ البتہ خود علامہ ابن حزم کی فن رجال میں بے بضاعتی عالم آشکارا ہوگئی۔

اس کی دوسری سند یوں ہے **جریر بن حازم، عن الزبیر بن سعید، عن عبدالله بن علی بن یزید بن رکانه عن ابیه عن جده** یعنی ''عبداللہ'' اپنے والد ''علی بن یزید'' سے اور علی بن یزید اپنے دادا رکانہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۱) جریر بن حازم صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

(۲) زبیر بن سعید الہاشمی المدنی کی توثیق امام ابن معین نے کی ہے اور ایک روایت میں ''لیس بشئی'' کہا ہے۔ ''**ومراد ابن معین فی الراوی فی بعض الروایات لیس بشئی قلة حدیثه۔** (قواعد علوم الحدیث ۲۵۶) بعض روایتوں میں راوی کے متعلق ''لیس شئی'' کے جملہ سے ابن معین کی مراد اس کی حدیث کی قلت اور کمی ہوتی ہے۔ اور زبیر بن سعید کے بارے میں اس جملہ سے ان کی مراد غالباً قلت حدیث ہی ہے۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں نکارت ہے اس جرح سے راوی کا ضعف لازم نہیں آتا۔ امام ابوزرعہ نے فرمایا کہ وہ شیخ ہیں شیخ توثیق کا لفظ ہے گو کمزور ہی سہی۔ امام نسائی نے کہا کہ وہ ضعیف ہیں، امام نسائی جرح میں متشدد ہیں۔ پھر یہ جرح مبہم بھی ہے۔ اس لیے اصولاً غیر معتبر اور بے ضرر ہے۔ امام شافعیؒ نے بھی ضعیف کہا ہے۔ یہ جرح بھی مبہم ہے۔ امام حاکم انھیں ''لیس بالقوی'' کہتے ہیں یہ انتہائی کمزور درجہ کی جرح ہے جس سے راوی کا

ضعف لازم نہیں آتا نیز مبہم بھی ہے۔ (ابکار المنن ص ۲۴۷۔ بحوالہ ازہار المربوعہ ص ۲۷) امام احمد نے ان کو لین کہا ہے اور ابن المدینی ضعیف بتاتے ہیں۔ یہ جرح بھی صحیح ہے۔ امام ابن حبان نے انھیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳، ص ۲۷۱-۲۷۲) اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ زبیر بن سعید کم از کم حسن الحدیث ہیں اور ان کی روایت حسن ولائق استدلال ہے۔

(۳) عبداللہ بن علی بن یزید، ابن حبان نے انھیں ثقات میں لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں انھیں مستور بتایا ہے اس طبقہ کے مستور کی روایتیں صحیحین میں بھی موجود ہیں۔

جریر بن حازم کے علاوہ امام عبداللہ بن مبارک بھی زبیر بن سعید سے بعینہ یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ اور خود زبیر بن سعید نے بھی اسے دو شیخ یعنی ''عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ بن عبد یزید'' اور ''عبداللہ بن علی بن السائب بن عبید بن عبد یزید'' سے روایت کیا ہے چنانچہ امام دار قطنی کہتے ہیں ''**حدثنا علی بن احمد نا الحسن بن سفیان ناحبان انا ابن المبارک انا الزبیر بن سعید اخبرنی عبدالله بن علی بن یزید بن رکانة الحدیث۔**''

اور ایک دوسری سند سے اسی روایت کو یوں بیان کرتے ہیں ''**حدثنا محمد بن هارون ابو حامد نا اسحق بن اسرائیل ناعبدالله بن مبارک اخبرنا الزبیر بن سعید عن عبدالله بن علی بن عبدالله بن علی بن السائب الحدیث۔** (سنن الدار قطنی ج ۲، ص ۴۳۹)

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ اس حدیث کو زبیر سے دو ائمہ حدیث جریر بن حازم اور عبداللہ بن مبارک روایت کرتے ہیں اور خود زبیر کے بھی دو شیخ ہیں۔ ایک عبداللہ بن علی بن یزید اور دوسرے عبداللہ بن علی بن السائب جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قلیل الحدیث ولین الحدیث ہونے کے باوجود زبیر بن سعید نے اس حدیث کو پورے حزم اور اتقان کے ساتھ یاد رکھا ہے اور کیوں نہ یاد رکھتے یہ تو خود ان کے گھر اور خاندان کا واقعہ تھا اور خانگی واقعات کو عام طور پر اہل خانہ یاد رکھتے ہیں چنانچہ شاعر عربی کہتا ہے۔

لا تخاصم بواحد اهل بیت ضعیفان یغلبان قویا

''کسی خاندان کے فرد سے مت جھگڑو کیونکہ گھر کے دو کمزور ایک طاقتور پر غالب آجاتے ہیں۔'' اسی بنا پر امام ابوداؤد کا فیصلہ ہے ''**هذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانة طلق امراته ثلاثا لانه اهل بیته وهم اعلم به۔** (سنن ابی داؤد ج ۱، ص ۳۰۱)

حضرت رکانہ کی یہ روایت (جسے امام شافعی اور زبیر بن سعید روایت کرتے ہیں جس میں طلاق ''البتہ'' کا لفظ ذکر ہے) ابن جریج کی روایت سے صحیح تر ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں کیونکہ البتہ والی حدیث کی روایت رکانہ کے گھر والے کرتے ہیں جو اسے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ جاننے والے ہیں۔ مزید برآں امام شافعی جیسے امام حدیث وفقہ کی متابعت بھی اسے حاصل ہے۔ جس نے اسے مزید قوت عطا کردی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

الحدیثان اذا کان فیهما ضعف قلیل مثل ان یکون ضعفهما انما هو من جهة سوء الحفظ نحو ذالک اذا کانا من طریقین مختلفین عضد احدهما الآخر فکان ذالک دلیل علی ان للحدیث اصلاً محفوظاً عن النبی ﷺ۔ (فتح الملہم، ج۳، ص۵۰۵)

''دو حدیثوں میں جب معمولی درجہ کا ضعف ہو مثلاً یہ ضعف راوی کی یادداشت کی کمی یا اسی جیسی کسی اور وجہ سے ہو، جب یہ دونوں حدیثیں دو مختلف سندوں سے مروی ہوں کہ ایک کو دوسرے سے تقویت پہنچ رہی ہو تو یہ اس بات پر دلیل ہوگی کہ اس حدیث کی اصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ ہے۔'' اس ساری تفصیل سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد اور بے تامل قابل حجت ہے۔

مشہور اہل حدیث (غیر مقلد) عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی کا یہ ارشاد کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ چنانچہ امام عقیلی نے فرمایا ہے کہ اس کی اسناد مضطرب ہے اور اس کا کوئی متابع بھی نہیں ہے۔ ''**قلت هذا الحدیث ضعیف قال العقیلی اسناده مضطرب ولا یتابع علی حدیثه**'' (التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی ج ۲، ص ۴۳۹) اصول محدثین کے اعتبار سے بے سود اور حدیث مذکور کی صحت پر قطعی اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ حدیث جو امام شافعی اور زبیر بن سعید کے طریق سے مروی ہے۔ وہ اضطراب سے بالکل بری اور پاک ہے۔ البتہ حضرت رکانہ کے واقعہ طلاق سے متعلق دیگر مروی روایتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو بظاہر اضطراب معلوم ہوگا کیونکہ اس سلسلہ کی بعض روایتوں میں حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے بجائے ان کے والد عبد یزید کے تین طلاقیں دینے کا ذکر ہے۔ بعض میں تعداد طلاق کی تعیین کے بغیر مطلقاً طلاق دینے کا ذکر ہے۔ اور بعض میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا

ہے کہ رکانہؓ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دی تھیں۔ چنانچہ امام ابوداؤد اپنی سنن میں بیان کرتے ہیں۔

(الف) حدثنا احمد بن صالح نا عبد الرزاق نا ابن جریج اخبرنی بعض بنی ابی رافع مولی النبی صلی الله علیه وسلم عن عکرمة مولی ابن عباس عن ابن عباس قال طلق عبد یزید ابو رکانة واخوته ام رکانة ثلاثاً الخ، الحدیث۔ (ابوداؤد ج۱، ص۲۰۸)

(ب) امام حاکم المستدرک میں لکھتے ہیں کہ:

اخبرنا ابوعبدالله محمد بن علی الصنعانی بمکة ثنا علی بن المبارک الصنعانی ثنا یزید بن المبارک ثنا ابن محمد بن ثور عن ابن جریج عن محمد بن عبید الله ابن ابی رافع مولی النبی ﷺ قال طلق عبد یزید ابو رکانة ام رکانة ثم نکح امرأة الخ، الحدیث۔ (المستدرک، ج۲، ص۴۹۱)

(ج) امام احمد بن حنبل مسند میں روایت کرتے ہیں:

حدثنا سعد بن ابراهیم قال انبأ نا ابی عن محمد بن اسحاق ثنی داؤد بن الحصین عن عکرمة عن ابن عباس انه قال طلق رکانة بن عبد یزید زوجته ثلاثاً فی مجلس واحد، الخ، الحدیث۔ (مسند امام احمد، ج۱، ص۲۶۵)

(د) اور امام شافعی اور زبیر بن سعید کے طریق سے جو روایت ہے اس میں صراحت ہے کہ ''طلق رکانة البتة'' گذشتہ سطور میں یہ پوری روایت گذر چکی ہے۔

پہلی روایت میں ہے کہ طلاق دینے والے رکانہ نہیں بلکہ ان کے والد عبد یزید ہیں اور تین طلاقیں ایک مجلس میں دی ہیں۔

دوسری روایت میں بھی صراحت ہے کہ طلاق دینے والے عبد یزید والد رکانہؓ ہیں لیکن اس میں طلاقوں کی تعداد کا بیان نہیں ہے۔

تیسری روایت میں مذکور ہے کہ طلاق دینے والے خود حضرت رکانہ ہیں اور ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں۔

اس تفصیل سے واضح ہو رہا ہے کہ ان تینوں روایتوں میں اضطراب ہے۔ تیز سند سے ظاہر ہے کہ ان کے سب راوی باہر کے افراد ہیں۔ حضرت رکانہؓ کے خاندان سے ان کا کوئی

تعلق نہیں ہے اور امام ابوداؤد فرما رہے ہیں کہ جو روایت امام شافعی اور زبیر بن سعید کے طریق سے مروی ہے زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے بیان کرنے والے حضرت رکانہؓ کے گھر کے لوگ ہیں۔ اور گھر کے افراد خانگی معاملات سے آپ بیتی ہونے کی بنا پر خوب واقف ہوتے ہیں۔ برخلاف ابن جریج کے طریق سے جو روایت ہے اس کے جملہ راوی باہر کے ہیں جن کی اس واقعہ سے متعلق معلومات بالواسطہ ہی ہوں گی جو بہر صورت گھر والوں کے مقابلہ میں کمزور ہوں گی۔ امام ابوداؤد کی یہ تعلیل ابن جریج اور ابن اسحاق دونوں کی روایت پر صادق آتی ہے۔ امام ابوداؤد کے اس معقول نقد کی مشہور امام حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری اور بلوغ المرام میں تصویب و تائید کی ہے چنانچہ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

"ان رکانة انما طلق امرأته البتة کما اخرجه هو (ای ابوداؤد) من طریق اهل بیته وهو تعلیل اقوی" حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی جیسا کہ امام ابوداؤد نے حضرت رکانہؓ کے گھر والوں سے اس کو بیان کیا ہے اور یہ بہت قوی تعلیل ہے۔

اور بلوغ المرام میں ان الفاظ سے ابن جریج کی روایت کی مرجوحیت بیان کرتے ہیں۔ "وقد روی ابوداؤد من وجه اخر احسن منه ان رکانة طلق امرأته سهیمة البتة" (بلوغ المرام ص ۱۲۹) امام ابوداؤد نے ایک دوسرے طریق سے جو ابن جریج کے طریق سے احسن اور زیادہ عمدہ ہے روایت کیا ہے کہ رکانہؓ اپنی بیوی سہیمہ کو لفظ البتہ سے طلاق دی تھی۔

امام ابوداؤد کی اس معقول اور قوی تر تعلیل کے جواب میں حافظ ابن القیم فرماتے ہیں: ان ابن جریج انما رواه عن بعض بنی رافع ولابی رافع بنون لیس فیهم من یحتج به الا عبید الله بن ابی رافع ولا نعلم هل هوهذا او غیره ولهذا والله اعلم رجح ابوداؤد حدیث نافع بن عجیر" "ابن جریج نے اس روایت کو بعض بنی ابی رافع سے روایت کیا ہے اور ابی رافع کے کئی بیٹے ہیں جن میں سوائے عبید اللہ بن ابی رافع کے کوئی قابل احتجاج نہیں ہے۔ اور ہمیں معلوم نہیں کہ اس سند میں راوی عبید اللہ ہیں یا ابورافع کا کوئی دوسرا بیٹا اسی بنا پر "واللہ اعلم" امام ابوداؤد نے ابن جریج کی روایت پر نافع بن عجیر کی روایت کو فوقیت دی ہے۔"

حافظ ابن القیم اپنے علم و فہم اور ذکاوت و فطانت میں جس مقام و مرتبہ کے مالک ہیں ان کا یہ جواب اس سے قطعی میل نہیں کھاتا اور نہ بنظر انصاف لائق التفات ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے بات کا رخ ایک دوسری جانب پھیر دیا ہے۔ جس کا امام ابوداؤد کی بیان کردہ علت سے ادنی تعلق بھی نہیں ہے۔

امام ابوداؤد تو فرما رہے ہیں کہ گھر کے اندرونی واقعات کو اہل خانہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ جان سکتے ہیں۔ لہذا ان کی خبر بیرونی لوگوں کے مقابلے میں زیادہ وزنی اور قابل اعتبار ہوگی۔

اور حافظ ابن القیم اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ابن جریج نے چونکہ ایک مجہول اور غیر معلوم راوی کے حوالہ سے اس روایت کو بیان کیا ہے اس لیے امام ابوداؤد نے ان کی روایت کو نافع بن عجیر کی روایت کے مقابلہ میں مرجوح اور کمزور قرار دیا ہے۔

ایک معمولی علم و ذہن کا آدمی بھی امام ابوداؤد اور حافظ ابن القیم کی باتوں میں فرق اور بے ربطی کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ علامہ ابن القیم کے علمی تبحر، وسعت نظر اور مشہور زمانہ فہم و ذکاوت کے پیش نظر ہم بجز اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں "کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے"

اللهم احفظنا منه.

ابن اسحاق اور ابن جریج کی روایتوں میں موجود اس علت قادحہ اور فنی کمزوری کے علاوہ ابن جریج کی پہلی روایت۔ جس کی سند میں "بعض بنی ابی رافع" واقع ہے راوی کی جہالت کی بنا پر نہ صرف نافع بن عجیر کی روایت کے مقابلہ میں مرجوح ہے بلکہ سرے سے ساقط الاعتبار ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں کہ بعض بنی ابی رافع مجہول ہے۔ اور مجہول سند سے دلیل و حجت قائم نہیں کی جاسکتی۔ (المحلی ج ۱۰، ص ۱۶۸) دوسری روایت جو "عن محمد بن ثور عن ابن جریج عن محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع" کے طریق سے ہے۔ جس سے پہلی روایت کا مجہول راوی نامزد و متعین ہو گیا ہے۔ اور وہ محمد بن عبید اللہ ہے جو ابورافع کا بیٹا نہیں بلکہ پوتا ہے۔ اور حد درجہ ضعیف اور کمزور راوی ہے۔ لہذا اس روایت کے بارے میں مولانا شمس الحق (غیر مقلد عالم) کا یہ لکھنا کہ۔ هذا حدیث جید الاسناد غیر ان بعض بنی رافع لم یعرف فهذا المجهول من ابناء مولی النبی صلی الله علیه وسلم ولم یکن الکذب مشهور افیهم (التعلیق المغنی شرح الدارقطنی ج ۲، ص ۴۳۹) یہ

حدیث جید الاسناد ہے البتہ بعض بنی ابی رافع غیر معروف ہے اور یہ مجہول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولی (آزاد کردہ غلام) کے بیٹوں میں سے کوئی ہے۔ جن میں جھوٹ مشہور نہیں تھا'' علم وتحقیق کے معیار سے بالکل گری ہوئی بات ہے اس لیے کہ یہ مجہول راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولی ابورافع کا بیٹا نہیں بلکہ پوتا ہے اور ائمہ حدیث ورجال اس پر شدید تنقید کرتے ہیں۔ چنانچہ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ امام بخاری اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں (اور امام بخاری نے خود تنبیہ کی ہے کہ ''میں جسے منکر الحدیث کہہ دوں اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے'' کیونکہ امام بخاری کذاب اور اسی درجے کی جرح کے موقع پر یہ لفظ بولتے تھے۔ اور کذاب سے روایت کرنی جائز نہیں ہے) امام بن معین اس کو لیس بشئی کہتے ہیں۔ امام ابوحاتم ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث جداً کہتے ہیں۔ امام دارقطنی اس کو متروک بتاتے ہیں اور محدث ابن عدی اسے کوفہ کا شیعہ شمار کرتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۳، ص ۹۷ - وتہذیب التہذیب، ج ۹، ص ۳۲۱) اور محدثین کا اصول ہے کہ مبتدع کی وہ روایت جس سے اس کے مذہب کی تائید ہوتی ہو لائق قبول نہیں ہے) اور یہ روایت ایسی ہی ہے۔

مزید برآں اس روایت میں ایک فاش غلطی یہ بھی ہے کہ اس میں رکانہ کے والد عبد یزید کو طلاق دینے والا بتایا گیا ہے حالانکہ عبد یزید کو اسلام کا زمانہ ملا ہی نہیں۔ امام ذہبی تلخیص میں لکھتے ہیں:

قال محمد ای ابن عبید اللہ بن ابی رافع (واہ) والخبر خطاء و عبد یزید لم یدرک الاسلام وقال عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف ابو رکانة طلق ام رکانة وہذا لایصح والمعروف ان صاحب القصہ رکانة. (المستدرک مع التلخیص، ج ۲، ص ۱۹۱)

''محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع ''بہت کمزور'' ہے اور روایت غلط ہے عبد یزید کو اسلام کا زمانہ نہیں ملا اور کہا (یعنی راوی نے) یہ عبد یزید ابن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف رکانہ کے باپ نے رکانہ کی ماں کو طلاق دے دی یہ بات صحیح نہیں ہے معروف ومشہور یہ ہے کہ صاحب واقعہ یعنی طلاق دینے والے رکانہ تھے۔

لہٰذا یہ روایت **ظلمات بعضها فوق بعض** کی مصداق ہے اور کسی طرح بھی قابل حجت نہیں ہے۔ نیز یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ اس روایت کو ابن جریج سے ان کے

دو تلمیذ محمد بن ثور اور عبدالرزاق روایت کرتے ہیں محمد بن ثور کو ائمہ جرح وتعدیل ''ثقہ وعابد کبیر'' یعنی قابل اعتماد اور بڑے عبادت گذار تھے۔ کہتے ہیں ان کی روایت میں مطلق طلاق دینے کا ذکر ہے کوئی تعداد نہیں بیان کی گئی ہے جبکہ عبدالرزاق بصراحت ایک مجلس میں تین طلاقوں کا ذکر کرتے ہیں اور عبدالرزاق کے بارے میں حافظ بن رجب حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کا میلان تشیع کی جانب تھا اور اپنی آخری عمر میں اہل بیت کے فضائل اور دیگر لوگوں کی مذمت میں منکر روایتیں بیان کرتے تھے۔ (مجلۃ البحوث الاسلامیہ الریاض ج ۱، عدد ۳، ص ۵۰، اشاعت ۱۳۹۷ھ)

اس بناء پر محمد ابن ثور کی روایت کو ان کی روایت پر فوقیت اور ترجیح حاصل ہوگی۔ اور تیسری روایت جو سعد بن ابراہیم ''**قال انبانا ابی عن محمد بن اسحاق ثنا عکرمہ عن بن عباس**'' کی سند سے ہے۔ یہ بھی لائق استدلال نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں ایک راوی محمد بن اسحاق امام المغازی ہیں۔ جن کی ثقاہت محدثین کے نزدیک محل نظر ہے۔ چنانچہ ہشام بن عروہ، امام مالک، امام یحیٰ ابن سعید القطان، اور سلیمان التیمی وغیرہ ان کو مطلقاً قابل اعتماد نہیں سمجھتے اور ان پر سخت ترین جرح کرتے ہیں۔ اس کے برعکس امام علی بن المدینی اور امام بخاری ان کو حجت قرار دیتے ہیں محدثین کی ایک جماعت سیر د مغازی یعنی تاریخی روایات میں ان پر اعتماد کرتی ہے لیکن شرعی احکام کے سلسلہ میں انھیں قابل اعتبار نہیں سمجھتی۔ محدثین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ مسائل شرعی سے متعلق ان کی وہ روایت معتبر ہوگی جن میں کوئی محدث ان کا متابع اور شاہد ہو اور اگر وہ اپنی روایت میں منفرد وتنہا ہوں گے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ امام احمد بن حنبل کی رائے یہی ہے۔ (اعلاء السنن، ج ۱۱، ص ۱۶۹) جس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت خود امام احمدؒ کے معیار پر پوری نہیں اترتی کیونکہ وہ اس میں منفرد ہی نہیں بلکہ ثقہ راوی مثلاً امام شافعی وغیرہ کے خلاف ہیں اسی لیے امام احمد بن حنبل نے مسند میں اس کی تخریج کے باوجود اس کو ترک کر دیا ہے۔

اور خود جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) کے سرخیل اور مسلم مقتدا جناب نواب صدیق حسن خان قنوجی ایک سند کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ''درسندش نیز ہماں محمد بن اسحاق حجت نیست۔'' (دلیل الطالب ص ۲۳۹) اس سند میں بھی وہی محمد ابن اسحاق ہیں جو قابل حجت نہیں ہیں۔ مزید براں محمد بن اسحاق کے شیخ داؤد بن الحصین (جو عکرمہ سے روایت کرتے ہیں) بھی متکلم فیہ اور عکرمہ سے روایت کرنے کی صورت میں متروک ہیں۔

چنانچہ امام ابوزرعہ ان کو ضعیف کہتے ہیں امام ابوسفیان بن عیینہ فرماتے ہیں ہم ان کی روایت سے بچتے تھے امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ داؤد بن الحصین کی روایت عکرمہ سے منکر ہوتی ہے یہی بات امام بخاری کے شیخ امام ابن المدینی بھی کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر کا فیصلہ ہے کہ "ثقة الا فی عکرمہ" داؤد بن الحصین ثقہ ہیں مگر عکرمہ کی روایت میں ثقہ نہیں ہیں۔ امام ذہبی زیر بحث حدیث کو داؤد بن الحصین کے مناکیر میں شمار کرتے ہیں۔ امام ساجی کہتے ہیں وہ منکر الحدیث تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۸۱، و تقریب ص ۱۱۶، و میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۱۷)

اس مفصل بحث و تحقیق سے روز روشن کی طرح آشکارا ہوگیا کہ ابن جریج اور ابن اسحاق کے طریق سے مروی یہ روایت بہر صورت راوی کی جہالت، نکارت اور ضعیف و متروک محدثین کے اصول کے اعتبار سے وہی اضطراب قادح اور ضرر رساں ہوتا ہے جو کسی طرح دور نہ ہوسکے۔ مثلاً دو روایتیں قوت کے اعتبار سے ایک درجہ کی ہوں اور قاعدہ کے مطابق ان میں سے کسی کو دوسری پر ترجیح نہ دی جاسکے اس صورت میں ان میں اضطراب قادح اور مضر ہوگا۔ اور اس کی وجہ سے دونوں روایتیں ساقط الاعتبار ہوجائیں گی۔ لیکن جب وہ مضطرب روایتیں قوت و ضعف وغیرہ کے لحاظ سے مختلف درجہ کی ہوں تو اس وقت ان میں اضطراب بے ضرر ہوگا کیونکہ ضعیف اپنے ضعف و کمزوری کی وجہ سے قوی کے مقابلہ میں ساقط یا مرجوح ہوجائے گی۔ تو پھر اضطراب کی گنجائش ہی کہاں بچے گی اور گذشتہ سطور میں یہ بات واضح اور منقح ہوچکی ہے کہ "البتہ" والی روایت بہر صورت راجح اور قابل اعتبار و استناد ہے۔ چنانچہ مشہور شارح حدیث امام نووی لکھتے ہیں:

واما الرواية التي رواها المخالفون ان ركانة طلقها ثلاثاً فجعلها واحدة فرواته ضعيفة عن قوم مجهولين وانما الصحيح منها ماقدمنا انه طلقها البتة ولفظ البتة محتمل للواحدة والثلاث ولعل صاحب هذه الرواية الضعيفة اعتقد ان لفظ البتة يقتضي الثلاث فرواه بالمعنى الذي فهمه وغلط في ذالك۔ (نووی شرح مسلم ص ۴۷۸)

بہر حال وہ روایت جسے مخالفین بیان کرتے ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک قرار دیا تھا تو یہ ضعیف ہے اور مجہول راویوں کی روایت ہے۔ اور حضرت رکانہؓ کے طلاق سے متعلق تو البتہ والی روایت ہی صحیح

ہے اور لفظ البتہ ایک اور تین دونوں کا احتمال رکھتا ہے ممکن ہے کہ ضعیف روایت کے راوی نے یہ سمجھ لیا ہو کہ "البتہ" کا مقتضی (مراد) تین ہی ہے تو اپنی سمجھ کے اعتبار سے روایت بالمعنی کردی اور اس بارے میں غلطی میں پڑ گیا۔

یہی بات المنذری بھی کہتے ہیں۔ "**واضح انه طلقها البتة وان الثلاث ذكرت فيه على المعنى**" (التعلیق المغنی شرح الدارقطنی ج ۲، ص ۴۵۰) "صحیح تر بات یہی ہے کہ حضرت رکانہؓ نے بیوی کو طلاق البتہ دی تھی اور تین طلاقوں کا ذکر روایت بالمعنی کے طور پر ہے۔" اس لیے صحیح و غیر صحیح میں اضطراب بتانا بے فائدہ اور بے سود ہے۔ اس طرح کے اضطراب کو اگر مؤثر قرار دیا جائے تو صحاح ستہ کی بہت سی حدیثوں سے ہاتھ دھونا پڑ جائے گا اس لیے اس جگہ اضطراب کی بحث چھیڑنا قطعاً بے موقع ہے اور بہر صورت البتہ والی روایت بے غبار لائق استناد و اعتبار ہے۔

(۹) اخبرنا سليمان بن داؤد عن ابن وهب قال مخرمة عن ابيه قال سمعت محمود بن لبيد قال اخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعا فقال غضبانا ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظهركم حتى قام رجل وقام يا رسول الله الا اقتله۔ (نسائی، ج ۲، ص ۳۶)

"محمود بن لبید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ غصہ میں کھڑے ہوگئے پھر فرمایا کہ کیا میرے ہوتے ہوئے اللہ کی کتاب سے کھیلا جارہا ہے۔ یہاں تک کہ ایک صاحب کھڑے ہوکر عرض پرداز ہوئے کہ حضرت! کیا میں اس شخص کو قتل نہ کردوں۔"

حافظ ابن القیم کی تحقیق کے مطابق اس حدیث کی سند امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے "اسنادہ علی شرط مسلم" حافظ ابن کثیر کہتے ہیں اسنادہ جید (نیل الاوطار، ج ۶ ص ۲۴۱) اس کی سند جید ہے۔ اور علامہ الترکمانی لکھتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (الجوہر النقی علی السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۳۳۳) حافظ ابن حجر نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ (بلوغ المرام ص ۲۲۴) بعض حضرات نے اس حدیث کی سند پر جو کلام کیا ہے یعنی حضرت محمود بن لبیدؓ جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی روایت کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان

کا سماع ثابت نہیں ہے اس لیے یہ حدیث مرسل ہے نیز دوسرے راوی مخرمہ بن بکیر جو اسے اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں انھیں بھی اپنے والد بکیر سے کچھ سننے کا اتفاق نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا یہ روایت متصل الاسناد اور مرفوع نہیں ہے لیکن اصول محدثین سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ یہ کام غیر معتبر ہے۔ اور بلاشبہ یہ روایت لائق احتجاج ہے۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے تھے اور اس کارروائی کو کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کئے جانے سے تعبیر فرمایا تھا۔ کیونکہ طلاق دینے میں حدود اللہ کی رعایت نہ کرکے شریعت کی دی ہوئی سہولت و گنجائش کی ناقدری کی گئی تھی اسی طرح جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی زوجہ کو بحالت حیض طلاق دے دی تھی تو اس وقت بھی آپؐ نے شدید خفگی کا اظہار فرمایا تھا جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت "**فتغیظ رسول الله صلى الله عليه وسلم**" سے ظاہر ہے کیونکہ اس طلاق میں بھی حد شرعی کا ملحوظ نہیں رکھا گیا تھا لیکن حضرت ابن عمرؓ نے صرف ایک طلاق دی تھی اور شرعاً اس کی گنجائش تھی کہ طلاق سے رجوع کرکے اس خطا کی تلافی کر لی جائے اس بنا پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں رجعت کرنے کا حکم دیا۔ اور زیر نظر واقعہ میں چونکہ ساری طلاقیں دے کر رجعت کی گنجائش ختم کردی گئی تھی اس لیے حضرت ابن عمرؓ کی طرح انھیں رجعت کا حکم نہیں دیا اگر تین طلاقیں ایک شمار ہوتیں تو لازمی طور پر ان صاحب کو بھی رجعت کا حکم فرماتے۔ بلکہ حضرت عویمر عجلانیؓ کی بیک مجلس دی گئی تین طلاقوں کو جس طرح نافذ کیا گیا تھا بظاہر ان صاحب کی بھی تینوں طلاقیں نافذ کردی گئیں۔ چنانچہ وسیع النظر محدث قاضی ابوبکر بن العربی لکھتے ہیں **فلم برده النبی صلی الله عليه وسلم بل امضاه كمافی حديث عويمر العجلانی فی اللعان حيث امضاه طلاقه الثلاث** (تہذیب سنن ابی داؤد، ج ۳، ص ۱۲۹، طبع مصر)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو رد نہیں کیا بلکہ انھیں نافذ کردیا جیسے حضرت عویمر عجلانی کی لعان والی حدیث میں بھی ہے کہ آپ نے ان کی تینوں طلاقوں کو نافذ کردیا اور رد نہیں فرمایا۔"

الحديث يفسر بعضه بعضاً "بعض حدیثیں دوسری بعض کی شرح و تفسیر کرتی ہیں" اس لیے زیر غور واقعہ کو ایک دوسری حدیث کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"**ثلاث جدهن جد وهزلهن جد الطلاق والنكاح والرجعة**. (سنن سعید بن منصور القسم الاوّل من الجلد الثالث، ص ۳۷۳)

اخرجه الترمذی وابوداؤد و ابن ماجه كلهم من حديث عبد الرحمن بن حبيب بن ادرک قال الترمذی حسن غريب ووافقه ابن حجر فی التحسين كما حققه المحدث الاعظمی فی تعليقه على كتاب السنن لسعيد بن منصور.

تین چیزیں ہیں جن میں سنجیدگی تو سنجیدگی ہی ہے مذاق اور کھلواڑ بھی سنجیدگی کے حکم میں ہے۔ (۱) طلاق (۲) نکاح (۳) رجعت۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں امور اگر بطور مذاق اور کھلواڑ کے کئے جائیں گے تو وہ سنجیدگی ہی پر محمول ہوں گے۔ اور تینوں کا شرعاً نفاذ ہوجائے گا۔ نیز حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "**ثلاث لا يلعب بهن اللعب فيهن والجد سواء الطلاق والنكاح والعتاق**" (سنن سعید بن منصور القسم الاول من الجلد الثالث ص ۳۷۴) تین چیزوں میں کھلواڑ نہیں ہے، کھیل اور سنجیدگی میں ان کا حکم شرعاً یکساں ہیں۔ (۱) طلاق (۲) نکاح (۳) عتاق (یعنی غلام آزاد کرنا) صحابی رسولؐ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ "ہزل اور لعب" دونوں کی مراد اس جگہ ایک ہی ہے۔ اوپر مذکور اس حدیث میں اکٹھی تین طلاقوں کو کتاب اللہ کے ساتھ لعب یعنی کھلواڑ قرار دیا گیا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں طلاقیں بھی "جد" یعنی واقعی اور سنجیدگی کے طور پر ہوئی شمار ہوں گی اور نافذ مانی جائیں گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اس کے علاوہ بھی ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ تینوں طلاقیں نافذ کردی گئی تھیں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "**سمع النبی صلی الله عليه وسلم رجلا طلق البتة فغضب وقال اتتخذون آيات الله هزوا او دين الله هزوا ولعبا من طلق البتة الزمناه ثلاثا لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره**" (سنن الدارقطنی، ج ۲، ص ۴۳۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے متعلق سنا کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ یعنی بیک وقت تین طلاقیں دے دی ہیں (اہل مدینہ کے محاورہ میں بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو طلاق بتہ کہا جاتا تھا۔ حدیث میں اسی محاورے کو

استعمال کیا گیا ہے) تو آپ غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ جو شخص طلاق بتہ یعنی بیک وقت تین طلاقیں دے گا ہم اس کو تین ہی نافذ کریں گے اور عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ کسی اور مرد سے ازدواجی تعلق قائم کر لے یہ روایت اگرچہ ضعیف اور ناقابل استدلال ہے لیکن کسی حدیث کی تائید میں اصولاً پیش کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ جماعت غیر مقلدین کے مشہور محدث مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری اپنی کتاب ''القول السدید'' میں لکھتے ہیں ''جو حدیث کسی دوسری حدیث کی تائید کے لیے پیش کی جائے وہ اگر ضعیف بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (بحوالہ الازہار المربوعہ ص۱۰۰)

(۱۰) حدثنا محمد بن ربیع انبأ اللیث بن سعد عن اسحاق بن ابی فروہ عن ابی الزناد عن عامر الشعبی قال قلت لفاطمة بنت قیس حدثنی عن طلاقک قالت طلقنی زوجی ثلاثاً و خارجاً الی الیمن فاجاز ذالک رسول الله ﷺ۔ (ابن ماجہ ص۱۴۷)

امام شعبی کہتے ہیں میں نے فاطمہ بن قیسؓ سے عرض کیا مجھے اپنے طلاق کا واقعہ بتایئے تو انھوں نے فرمایا کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دے دیں اس حال میں کہ وہ مدینے سے باہر یمن میں تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں طلاقوں کو نافذ فرمادیا۔''

امام بن ماجہ نے اس حدیث کو ''**باب من طلق ثلاثافی مجلس واحد**'' کے تحت ذکر کر کے بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کیا ہے۔ نیز اس حدیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اکٹھی تین طلاقوں کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ اور آج کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ حدیث کا معنی اور مطلب امام شافعی اور امام ابن ماجہ کے مقابلہ میں زیادہ سمجھتا ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے اکثر طرق میں طلاق ثلاث ہی کا ذکر ہے لہٰذا اسی کو ترجیح ہوگی نیز یہ بات متعین ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے لیکن خود صاحب واقعہ اور دوسرے بیان کرنے والوں نے اسے کبھی ''**طلقها البتة**'' اور کبھی ''**طلقها ثلاثا**'' اور کبھی ''**طلقها آخر ثلاث تطليقات**'' کبھی **طلقها زوجها**'' کبھی ''**بتطليقه كانت بقيت من طلاقها**'' وغیرہ مختلف صیغوں اور الفاظ سے بیان کیا ہے جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ صحابہ اور تابعین اکٹھی تین طلاقوں اور متفرق تین طلاقوں میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے بلکہ دونوں صورت کو بینونت میں یکساں سمجھتے تھے۔ اسی لیے کسی خاص صیغے کی

تحقیق کا لحاظ نہیں کیا۔ رہا یہ دعویٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی حدیث کو رد کر دیا تھا تو یہ رد حدیث کے صرف ایک جزو یعنی عدم نفقہ اور سکنیٰ سے متعلق تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سرے سے ان کی حدیث ہی کو رد کر دیا تھا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور اگر کسی کو اس پر اصرار ہو تو وہ دلیل پیش کرے۔ بہر حال اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایک وقت کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ تلک عشرہ کاملہ۔

(۳) آثار صحابہؓ

امت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو امتیازی شرف و مجد حاصل ہے وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ انھوں نے براہ راست فیضان نبوت سے استفادہ کیا ہے اور بغیر کسی واسطہ کے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم و تربیت پائی ہے۔ جو کچھ جس طرح آپ سے سنا یا کرتے دیکھا اسے اپنی زندگی میں ڈھال لیا تھا۔ اگر کسی امر میں کبھی کچھ تردد و اشتباہ پیش آ گیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر تشفی حاصل کر لی تھی۔ اس لیے ان سے بڑھ کر مزاج شناس نبوت اور واقف شریعت کون ہوسکتا ہے؟ ان کے مجموعی عمل اور رائے کے مقابلہ میں کسی بڑے سے بڑے محقق و مجتہد کے قول و عمل کو اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کی اس امتیازی شان کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

اولئک اصحاب محمد ﷺ کانوا افضل هذه الامة ابرها قلوبا واعمقها علما و اقلها تكلفاً اختارهم الله لصحبة نبيه و لاقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم اتبعوهم على اثرهم وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم، رواه رزين۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۱، ص۳۲)

''یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو دل کی نیکی، علم کی گہرائی اور تکلف کی کمی میں امت میں افضل ترین ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ لہٰذا ان کے فضل کو پہچانو ان کے نقش قدم کی پیروی کرو، اور ان کے اخلاق و سیرت کو جہاں تک بس چلے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو، بلا شبہ یہ

حضرات ہدایت مستقیم پر ہیں۔"

صحابہ کی زندگی پر خود انھی کے فاضل ترین معاصر کے اس وقیع و عمیق تبصرہ کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں باقی رہتی، زندگی میں سادگی، دل کی پاکیزگی اور نیکی، علم میں گیرائی و گہرائی ایسے اعلیٰ ترین اور تاریخ ساز اوصاف ہیں جن سے قوموں کی حیات سنور جاتی ہے۔

خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے طریقہ پر چلنے کو مدار نجات قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

وتفترق امتی علی ثلاث و سبعین ملة کلهم فی النار الاملة واحدة، قالوا من هی یارسول الله؟ قال، ماانا علیه و اصحابی رواه الترمذی.

(مشکوۃ المصابیح، ج ۱، ص ۳۰)

اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی اور ایک کے علاوہ سب فرقے جہنم رسید ہوں گے، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ نجات پانے والی کونسی جماعت ہے؟ آپؐ نے فرمایا، جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہے۔

ایک حدیث میں آپؐ نے خصوصیت کے ساتھ خلفائے راشدین کے طریقہ پر چلنے کی امت کو ہدایت فرمائی ہے۔

فانه من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی، وقال حدیث حسن صحیح، وابن ماجه۔ (مشکوۃ المصابیح، ج ۱، ص ۳۰)

"پس تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ اختلاف کثیر دیکھے گا لہٰذا تم لوگ میری سنت اور خلفائے راشدین، (ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ،) کی سنت کو لازم پکڑو اور مضبوطی کے ساتھ اس پر جمے رہو اور قوت کے ساتھ اسے تھامے رہو۔"

انھیں جیسی نصوص کی بنا پر تعامل صحابہ کے بارے میں فقہائے امت کا مسلک ہے۔

"یجب اجماعا فیما شاع فسکتوا مسلمین ولا یجب اجماعا فیما ثبت الخلاف بینهم" (توضیح و تلویح فی تقلید الصحابیؓ) جو بات عام طور پر صحابہؓ میں شائع ہو اور انھوں نے سکوتاً اسے تسلیم کر لیا ہو اس کی اتباع باتفاق واجب ہے اور جس

بابت میں ان کا اختلاف ہو اس میں اتباع سب کے نزدیک واجب نہیں ہے۔

شریعت اسلامی میں حضرات صحابہؓ کی اس خصوصی و امتیازی حیثیت پر ثبوت پیش کرتے ہوئے صاحب توضیح وتلویح کہتے ہیں۔:

لان اکثر اقوالهم مسموع بحضرة الرسالة وان اجتهدوا فرایهم اصوب لانهم شاهدوا موارد النصوص ولتقدمهم فی الدین وبرکة صحبة النبی ﷺ وکونهم فی خیر القرون. (توضیح وتلویح فی تقلید الصحابی)

اس لیے کہ ان کے اکثر اقوال زبان رسالتؐ سے سنے ہوتے ہیں اور اگر انھوں نے اجتہاد بھی کیا ہے تو ان کی رائے زیادہ صائب اور درست ہے کیونکہ انھوں نے نصوص (قرآن وحدیث) کے موقع ومحل کا براہ راست مشاہدہ کیا ہے۔ دین میں انھیں تقدم حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے فیضیاب ہیں اور زمانہ خیر القرون میں تھے۔ بالخصوص حضرات خلفاء راشدین کی حیثیت تو اس معاملہ میں بہت ہی بلند اور اعلیٰ وارفع ہے چنانچہ مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آیت استخلاف کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و کلمہ "**لیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم**" دلالت میکند بر دو معنی یکے آنکہ ایں خلفاء کہ خلافت ایشاں موعود است چوں وعدہ منجز شود دین علی اکمل الوجوہ بہ ظہور آید۔ دوم آنکہ از باب عقائد و عبادات و معاملات و مناکحات و احکام خراج آنچہ در عصر مستخلفین ظاہر شود و ایشاں با ہتمام تمام سعی در اقامت آن کنند دین مرتضیٰ است پس اگر الحال قضا مستخلفین در مسئلہ یا فتویٰ ایشاں در حادثہ ظاہر شود آں دلیل شرعی باشد کہ مجتہد یاں تمسک نماید زیرا کہ آن دین مرتضیٰ است کہ تمکین آں واقع شد۔"

(ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء ص ۱۹)

"جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کیا ہے (یعنی دین اسلام "**رضیت لکم الاسلام دینا**") اس کو ان کے واسطے جما دے گا" آیت استخلاف کا یہ جز دو معنی پر دلالت کرتا ہے ایک یہ کہ یہ خلفاء جن کی خلافت کا وعدہ ہے جس وقت اس وعدہ کا ظہور ہوگا دین الٰہی مکمل ترین صورت میں رائج ہوگا۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ عقائد، عبادات، معاملات، مناکحات، اور احکام خراج جو خلفاء کے زمانے میں ان کی سعی و اہتمام سے رائج ہوئے وہ

سب پسندیدۂ الٰہی ہیں۔ لہٰذا اس عہد کا جو فیصلہ یا فتویٰ ان امور سے متعلق آج دستیاب ہو وہ حجت اور دلیل شرعی ہوگا کیونکہ یہی وہ دین پسندیدہ ہے جس کو تمکین وقوت حاصل ہوئی ہے۔''

محدث دہلوی قدس سرہ کی اس تحقیق سے ان بیباکوں کی باطل پسندی بھی اظہر من الشمس ہوگئی جو بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے تین شمار ہونے سے متعلق خلیفہ راشد حضرت فاروق اعظم کے اجماعی فتویٰ کو سرکاری آرڈی نینس کہہ کر اس کی شرعی حیثیت کو مجروح کرنے کے درپے ہیں۔

شریعت اسلامی میں حضرات صحابہؓ بالخصوص خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی امتیازی شان اور خصوصی حیثیت سے متعلق اس مختصر سی تمہید کے بعد مسئلہ زیر بحث کے بارے میں ان کے اقوال و آثار ملاحظہ کیجیے۔ اس موقع پر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حسب تحقیق حافظ ابن الہمام جماعت صحابہ میں فقہاء و مجتہدین کی تعداد تقریباً بیس بائیس سے اوپر نہ ہوگی مثلاً خلفائے اربعہ یعنی (۱) حضرت صدیق اکبر (۲) فاروق اعظم (۳) عثمان غنی (۴) حضرت علی مرتضیٰ (۵) حضرت عبداللہ بن مسعود (۶) عبداللہ بن عمر (۷) عبداللہ بن عباس (۸) عبداللہ بن الزبیر (۹) زید بن ثابت (۱۰) معاذ بن جبل (۱۱) انس بن مالک (۱۲) ابوہریرہ (۱۳) حضرت عائشہ صدیقہ (۱۴) حضرت ابی بن کعب (۱۵) ابوموسیٰ اشعری (۱۶) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (۱۷) مغیرہ بن شعبہ (۱۸) ام المومنین ام سلمہ (۱۹) عمران بن حصین (۲۰) معاذ بن ابی سفیان وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) باقی حضرات صحابہ مسائل میں انھیں کی جانب رجوع کرتے تھے۔ (فتح القدیر ج ۳، ص ۳۳۰)

شیخ محمد خضری بک نے تاریخ التشریع الاسلامی میں پندرہ فقہاء صحابہ کا ذکر کیا ہے جن میں حضرت فاروق اعظم، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مکثرین (کثرت سے فتویٰ دینے والوں) میں شمار کیا ہے۔ (تاریخ التشریع الاسلام ص ۱۳۰، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۶، ۱۶۰، اور ۱۶۳) ذیل میں انھیں فقہاء صحابہ میں سے اکثر کے فتاوے درج کئے جا رہے ہیں۔

خلیفہ راشد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آثار

(۱) "عن ابن عمر ان رجلاً اتى عمر فقال انى طلقت امرأتى البتة وهى

حائض فقال عمر عصيت ربك وفارقت امرأتك فقال الرجل فان رسول الله ﷺ امر ابن عمر حين فارق زوجته ان يراجعها فقال له عمر ان رسول الله ﷺ امره ان يراجع بطلاق بقى وانه لم يبق لك ماترجع به امرأتك." رواه الطبرانى فى الاوسط ورجاله رجال الصحيح خلا اسماعيل بن ابراهيم الترجمانى وهو ثقة۔

(مجمع الزوائد، ج ۴، ص ۳۳۵، سنن الکبریٰ ج ۷، ص ۳۳۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق بتہ یعنی بیک وقت تین طلاقیں دیدیں مولانا شمس الحق صاحب اہل حدیث (غیر مقلد) عالم نے لکھا ہے کہ اہل مدینہ تین طلاقوں کو ''بتہ'' کہتے ہیں۔ (التعلیق المغنی ج ۲، ص ۴۵۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہو چکی۔ اس نے کہا! حضرت ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجعت کرادی تھی؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ان کو رجعت کا اختیار اس لیے ملا تھا کہ ان کی طلاق باقی رہ گئی تھی اور تمھارے لیے کچھ باقی نہیں بچا کہ اپنی بیوی سے رجعت کرو۔

(۲) عن زيد بن وهب ان بطالا كان بالمدينة فطلق امرأته الفاً فرفع ذالك الى عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه فقال انما كنت العب فعلاه عمر رضى الله عنه بالدرة وقال ان كان يكفيك ثلاث۔

(سنن الکبریٰ، ج ۷، ص ۳۳۴، ومصنف ابن ابی شیبہ، ج ۵، ص ۱۱)

زید بن وہب راوی ہیں کہ مدینہ میں ایک مسخرہ تھا اس نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے ڈالیں اس کا معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں پیش کیا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے تو یہ طلاقیں دل لگی اور مذاق کے طور پر دی ہیں۔ (مطلب یہ کہ میرا مقصد طلاق دینے کا نہیں تھا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درہ سے اس کی خبر لی اور فرمایا کہ تجھے تو تین طلاقیں ہی کافی تھیں۔

(۳) عن ان انس قال كان عمر اذا اتى برجل طلق امرأته ثلاثاً فى مجلس واحد اوجعه ضربا و فرق بينهما" (الجوہر النقی، ج ۷، ص ۳۳۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دی ہوتیں تو آپ اس کو سزا دیتے اور زوجین میں تفریق کردیتے۔

خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

(۴) عن معاویہ بن ابی یحییٰ قال جاء رجل الی عثمان بن عفان فقال طلقت امرأتی الفا فقال بانت منک بثلاث (فتح القدیر، ج ۳، ص ۳۳۰ و زاد المعاد، ج ۲، ص ۲۵۹)

معاویہ بن ابی یحییٰ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے دی ہیں؟ آپ نے فرمایا تیری بیوی تجھ سے تین طلاقوں سے جدا ہوگئی۔

خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آثار

(۵) عن حبیب بن ابی ثابت قال جاء رجل الی علی بن ابی طالب فقال انی طلقت امرأتی الفاً فقال له علی بانت منک بثلاث واقسم سائرهن علی نسائک۔ (فتح القدیر، ج ۳، ص ۲۳۰، و زاد المعاد، ج ۲، ص ۲۰۹، و سنن الکبریٰ ج ۷، ص ۳۳۵)

حبیب بن ابی ثابت سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے ڈالی ہیں؟ تو حضرت علیؓ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ تین طلاقوں سے تیری عورت تجھ سے جدا ہوگئی اور بقیہ ساری طلاقوں کو اپنی عورتوں پر تقسیم کردے۔

(۶) عن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن علی رضی الله عنه فیمن طلق امرأته ثلاثاً قبل ان یدخل بها قال لاتحل له حتی تنکح زوجاً غیره۔

(سنن الکبریٰ، ج ۷، ص ۳۳۴)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ راویت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں (ایک لفظ میں) دے دی تھیں فرمایا کہ اس کی بیوی اس کے واسطے حلال نہیں ہوگی، یہاں تک کہ کسی اور مرد سے ازدواجی تعلق قائم کرلے۔

(۷) عن الحکم انه قال اذا قال هی طالق ثلاثاً لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره واذا قال انت طالق، انت طالق بانت انت طالق بالاولی ولم تکن الآخرین (الاخریان) بشئی فقیل له عمن هذا یا ابا عبدالله فقال عن علی وعبدالله وزید بن ثابت۔ (سنن سعید بن المنصور القسم الاول من الجلد الثالث، ص ۲۶۲)

ابوعبداللہ الحکم سے روایت ہے انھوں نے کہا جب طلاق دینے والے نے اپنی (غیر مدخولہ) بیوی کو کہا "هی طالق ثلاثا" یہ مطلقہ از سہ طلاق ہے۔ (یعنی ایک کلمہ میں تینوں طلاقیں دے دیں) تو یہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ کسی اور مرد سے نکاح کرلے اور اگر کہا کہ انت طالق، انت طالق، انت طالق تجھ کو طلاق ہے، تجھ کو طلاق ہے، تجھ کو طلاق ہے (یعنی متعدد الفاظوں میں تین طلاقیں دیں) تو پہلی طلاق سے بائن ہوجائے گی آخری دو طلاقیں بیکار جائیں گی۔ ان سے پوچھا گیا کہ یہ فتویٰ آپ کس سے نقل کرتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا حضرت علیؓ عبداللہ بن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ سے۔

(۸) عن الاعمش قال کان بالکوفة شیخ یقول سمعت علی بن ابی طالب رضی الله عنه یقول اذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً فی مجلس واحد فانه یرد الی واحدة والناس عنقا واحداً اذ ذاک یاتونه ویسمعون منه قال فاتینه فقرعت علیه الباب فخرج الی شیخ فقلت له کیف سمعت علی بن ابی طالب رضی الله عنه یقول فی من طلق امرأته ثلاثاً فی مجلس واحد؟ قال: سمعت علی بن ابی طالب رضی الله عنه یقول اذا طلق رجل امرأته ثلاثاً فی مجلس واحد فانه یرد الی واحدة! فقلت له این سمعت من علی رضی الله تعالیٰ عنه؟ قال اخرج الیک کتاباً فاخرج فاذا فیه بسم الله الرحمن الرحیم هذا ما سمعت علی بن ابی طالب رضی الله عنه یقول اذا طلق رجل امرأته ثلاثاً فی مجلس واحد فقد بانت منه ولاتحل له حتی تنکح زوجاً غیره! قال: قلت ویحک هذا غیر الذی تقول؟ قال: الصحیح هو هذا ولکن هؤلاء ارادونی علی ذالک۔ (سنن الکبریٰ، ج ۷، ص ۳۴۰)

اعمش سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کوفہ میں ایک شیخ تھا جو کہتا تھا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو بیک مجلس تین طلاقیں دے گا

تو وہ ایک طلاق کی طرف لوٹادی جائے گی۔لوگوں کی بھیڑ اس کے پاس جاتی اور اس سے یہ روایت سنتی۔اعمش کہتے ہیں کہ اس کے یہاں میں بھی گیا اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا تو گھر سے نکل کر ایک شیخ میرے پاس آیا میں نے اس سے پوچھا بیک۔مجلس تین طلاقیں دینے کے بارے میں آپ نے حضرت علی سے کیا سنا ہے؟ اس نے کہا میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے سنا ہے کہ جب کوئی اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے گا تو وہ ایک ہی ہوگی! میں نے اس سے دریافت کیا کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کس جگہ سنی ہے؟ اس نے کہا میں تمھیں کتاب دکھاتا ہوں چنانچہ اس نے کتاب نکالی تو اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھا ہوا تھا یہ وہ حدیث ہے جو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنی ہے وہ فرماتے تھے کہ جب کوئی اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے گا تو عورت اس سے جدا ہو جائے گی، اور اس کے لیے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ کسی اور مرد سے نکاح کر لے! میں نے اس سے کہا آپ پر افسوس! آپ جو بیان کرتے ہیں یہ تو اس کے برعکس ہے۔اس نے جواب دیا صحیح تو یہی ہے جو اس کتاب میں درج ہے لیکن لوگوں نے مجھ سے یہی خواہش کی یعنی (میں نے لوگوں کی خواہش کے مطابق روایت کو بدل دیا۔)

اس واقعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحیح مسلک معلوم ہونے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ہوس پرستوں نے کس طرح اس باب کی احادیث وآثار میں تحریف کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے آثار

(۹) عن علقمة قال جاء ابن مسعود رجل فقال انی طلقت امرأتی تسعاً و تسعین وانی سألت فقیل قد بانت منی فقال بن مسعود قد احبوا ان یفرقوا بینک وبینها قال فما تقول رحمک الله فظن انه سیرخص له فقال ثلاث تبینها منک وسائرهن عدوان رواه الطبرانی ورجاله رجال الصحیح۔

(مجمع الزوائد، ج۴، ص۳۳۸)

علقمہ سے روایت ہے ایک شخص عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ مین نے اپنی بیوی کو ننانوے طلاقیں دے دی ہیں اور میں نے پوچھا تو مجھ کو بتایا گیا کہ تیری

بیوی تجھ سے جدا ہوگئی؟ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگ چاہتے ہیں کہ تجھ میں اور تیری بیوی میں جدائی کر دیں۔اس نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ کیا کہتے ہیں اس کو خیال ہوا کہ شاید ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے لیے رخصت کا حکم فرمائیں۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ تین طلاقوں سے وہ تم سے جدا ہوگئی اور بقیہ طلاقیں عدوان وسرکشی ہیں۔"

(۱۰) وعن علقمة قال اتی رجل ابن مسعود رضی الله عنه فقال انی طلقت امرأتی عدد النجوم فقال ابن مسعود فی نساء اهل الارض کلمة لم احفظها وجاء رجل فقال انی طلقت امرأتی ثمانیا فقال ابن مسعود أیرید هؤلاء ان تبین منک فقال نعم قال ابن مسعود یا ایها الناس قد بین الله الطلاق فمن طلق کما امره الله فقد بین ومن لبس به جعلنا به لبسه والله لاتلبسون علی انفسکم ونحمله عنکم یعنی هو کما یقولون وقال ونری قول ابن مسعود کلمة لم احفظها انه لو کان عنده نساء الارض ثم قال هذه ذهبن کلهن، رواه الطبرانی ورجاله رجال الصحیح۔

(مجمع الزوائد، ج۴، ص۳۳۸)

حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو بقدر ستاروں کی تعداد کے طلاق دے دی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے زمین کی عورتوں سے متعلق کوئی بات کہی جسے میں محفوظ نہ کر سکا اور ایک اور شخص نے آ کر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دے دیں؟ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کیا لوگوں کا ارادہ ہے کہ تیری بیوی تجھ سے جدا ہو جائے اس نے کہا کہ ہاں۔حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اے لوگو! اللہ نے طلاق دینے کا طریقہ بتا دیا ہے لہٰذا جو شخص اللہ کے حکم کے مطابق طلاق دے گا اللہ نے اس کا حکم بیان کر دیا اور جو شخص اس بارے میں کوئی اشتباہ پیدا کرے گا تو ہم اس کے اشتباہ کو خود اس کے گلے مڈھیں گے ایسا نہیں کہ تم اپنے اوپر اشتباہ پیدا کرو اور اس کا بار تمھارے بجائے ہم اٹھائیں یعنی وہ ایسا ہی ہے جیسا لوگ کہتے ہیں۔علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی جو بات میں محفوظ نہ کر سکا میرے خیال میں یہ تھی کہ اگر زمین کی ساری عورتیں اس کے پاس ہوتیں تو سب جدا ہو جاتیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان فتووں سے معلوم ہوا کہ صحابہ میں یہی بات معروف تھی کہ بیک کلمہ دی گئی طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

(١١)وفی المؤطا بلغه ان رجلا جاء الی ابن مسعود فقال انی طلقت امرأتی بمأتی تطلیقات فقال ابن مسعود فماذا اقیل لک قال قبل لی انها قد بانت منی فقال ابن مسعود صدقوا هو مثل ما یقولون "وظاهر الاجماع علی هذا الجواب." (فتح القدیر، ج۳، ص۳۳۰)

موطا امام مالک میں ہے کہ امام مالک کو یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص نے آ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو دو سو طلاقیں دے ڈالی ہیں حضرت ابن مسعودؓ نے اس شخص سے پوچھا کہ تمھیں اس بارے میں کیا جواب دیا گیا اس نے کہا مجھ سے کہا گیا ہے کہ عورت مجھ سے جدا ہوگئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا لوگوں نے صحیح بتایا، حکم وہی ہے جو لوگ کہتے ہیں۔ حافظ ابن الہمام لکھتے ہیں اس کلام کا ظاہر یہی ہے کہ اس جواب پر صحابہ کا اتفاق و اجماع تھا۔

آثار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

(١٢)۔ عن مجاهد قال کنت عند ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما فجاء رجل فقال انه طلق امرأته ثلاثاً قال فسکت حتی ظننا انه رادها الیه ثم قال ینطلق احدکم فیرکب الحموقة ثم یقول یا ابن عباس یا بن عباس وان الله جل ثناءه قال "ومن یتق الله یجعل له مخرجا" وانک لم تتق الله فلا اجدلک مخرجا عصیت ربک وبانت منک امراتک وان الله قال "یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقو هن رواه البیهقی واللفظ له ورواه ایضا ابوداؤد و قال روی هذا الحدیث حمید الاعرج وغیره عن مجاهد عن ابن عباس رواه شعبة عن عمر و بن مرة عن سعید بن جبیر عن ابن عباس و ایوب وابن جریج جمیعاً عن عکرمه بن خالد عن سعید بن جبیر عن ابن عباس وابن جریج عن عبد الحمید بن رافع عن عطاء عن ابن عباس ورواه الاعمش عن مالک وابن الحارث عن ابن عباس وابن جریج عن عمرو

بن دینار عن ابن عباس کلهم قالوا فی الطلاق الثلاث انه اجازها قال وقالوا وبانت منک نحو حدیث اسماعیل عن ایوب عن عبدالله بن کثیر." (السنن الکبری، ج۷، ص ۳۳۱، و ابوداؤد، ج۱، ص ۲۹۹)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں تھا کہ ایک شخص حاضر ہوا اور کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چپ رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ حضرت ابن عباسؓ اسے رجعت کا حکم دیں گے پھر فرمایا کہ پہلے تو لوگ حماقت کر بیٹھتے ہیں پھر اے ابن عباس ابن عباس چلاتے ہو، اللہ جل شانہ کا فرمان ہے جو اللہ سے ڈرے گا اس کے واسطے اللہ گنجائش کی راہ پیدا کر دے گا۔ تم نے اللہ کا خوف نہیں کیا لہٰذا میں تیرے واسطے کوئی گنجائش کی راہ نہیں پاتا تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہوگئی۔ خدا کا ارشاد ہے اے نبی جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو انھیں طلاق دو ان کی عدت کے وقت سے پہلے۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ مجاہد کے علاوہ سعید بن جبیر، عطاء، مالک بن الحارث اور عمرو بن دینار نے بھی اس حدیث کو حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے:

"وقال ابوداؤد رواه حماد بن زید عن ایوب عن عکرمة عن ابن عباس اذا قال انت طالق ثلاثاً بفم واحد فهی واحدة ورواه اسماعیل بن ابراهیم عن ایوب عن عکرمة هذا قوله لم یذکر ابن عباس وجعله قول عکرمة" ابوداؤد نے کہا عکرمہ روایت کرتے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا جب ایک تلفظ میں تین طلاقیں دے تو وہ ایک ہی شمار ہوگی اور اسماعیل بن ابراہیم نے ایوب سے روایت کیا ہے۔ یہ بات ابن عباسؓ نے نہیں خود عکرمہ نے کہی ہے۔ نیز ابوداؤد نے کہا کہ ابن عباس کا مذہب یہ ہے کہ جب عورت کے ساتھ صحبت سے پہلے بیک تلفظ تین طلاقیں دی جائیں تو عورت حرام ہو جائے گی۔ ابوداؤد کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ اس مسئلے کی نسبت ابن عباس کی طرف صحیح نہیں کیونکہ یہ روایت ابن عباسؓ کے دیگر تلامذہ مثلاً مجاہد سعید بن جبیر مالک بن الحارث، عمرو بن دینار وغیرہ کی بیان کردہ روایت کے خلاف ہے۔ دوسرے ابن عباس کی جانب اس قول کی نسبت بھی مختلف فیہ ہے۔ یہی وہ روایت ہے جس کے بارے میں حافظ ابن القیم نے کہا تھا کہ ابن عباسؓ کی اس مسئلے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک تو وہی جو

عام صحابہ اور جمہور کا قول ہے اور دوسرے ایک تلفظ کی تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی۔ حالانکہ اس روایت کا جو حال ہے وہ ابوداؤد کے تبصرے سے معلوم ہو گیا کہ اس روایت کی نسبت ابن عباسؓ کی جانب صحیح نہیں ہے اور اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب مرد مباشرت سے پہلے اپنی بیوی کو کہے "انت طالق، انت طالق، انت طالق" اور ان تینوں کلموں میں فصل نہ کرے تو ایک ہی سے بائن ہو جائے گی۔ "بفم واحد" کا مطلب یہی ہے کہ تینوں کلموں کو متصلاً کہے۔

۱۳۔ عن مجاهد عن ابن عباس انه سئل عن رجل طلق امرأته مائة تطليقه قال عصيت ربك وبانت منك امرأتك لم تتق الله فيجعل لك مخرجا الخ. (سنن الکبریٰ ج۷، ص۳۳۱-۳۳۲)

مجاہد روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی تھیں، تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی تو اللہ سے نہیں ڈرا کہ تیرے لیے گنجائش پیدا کرتا۔

۱۴۔ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی الله عنهما فی رجل طلق امرأته الفاً فقال اما ثلاث فتحرم علیک امرأتک وبقیهن علیک وزرا اتخذت ایات الله هزوا۔ (سنن الکبریٰ، ج۷، ص۳۳۱-۳۳۲)

سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس شخص سے جس نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے ڈالی تھیں فرمایا کہ تین طلاقوں نے تم پر تمہاری بیوی کو حرام کر دیا اور بقیہ طلاقیں تم پر گناہ ہیں۔ تم نے اللہ کے احکام کے ساتھ کھلواڑ کیا ہے۔

۱۵۔ واخرجه ابن ابی شیبة من وجه اخر صحیح ایضاً فقال حدثنا ابن نمیر عن الاعمش عن مالک بن الحارث عن ابن عباس اتاه رجل فقال ان عمی طلق امرأته ثلاثاً فقال ان عمک عصی الله فاندمه الله فلم یجعل له مخرجاً ورواه عبدالرزاق فی مصنفه عن الثوری ومعمر عن الاعمش۔

(الجوهر النقی علی سنن الکبری للبیهقی، ج۷، ص۳۳۲)

"مالک بن حارث بیان کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور اس

نے کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی لہٰذا اللہ اس کو نادم کرے گا اور اس کے واسطے کوئی گنجائش نہیں پیدا کرے گا۔

۱۶۔ عن هارون بن عنترة عن ابیه قال کنت جالساً عند ابن عباس فاتاه رجل فقال یا ابن عباس انه طلق امرأته مائة مرة وانما قلتها مرة واحدة فتبین منی بثلاث ام هی واحدة فقال بانت بثلاث وعلیک وزر سبعة وتسعین. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج۵، ص۱۳)

عنترہ بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عباس کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا اے ابن عباسؓ میں نے یکبارگی اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں تو کیا یہ مجھ سے تین طلاقوں سے جدا ہو جائے گی یا یہ ایک طلاق شمار ہوگی، آپؓ نے فرمایا وہ جدا ہو گئی تین طلاقوں سے اور بقیہ ستانوے تم پر گناہ کا بوجھ ہیں۔

۱۷۔ عن عطاء عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال اتاه رجل فقال انی طلقت امرأتی ثلاثاً قال یذهب احدکم فیتلطخ بالنتن ثم یاتینا، اذهب فقد عصیت ربک وقد حرمت علیک امرأتک لاتحل حتی تنکح زوجاً غیرک قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ وقول العامة لااختلاف فیه. (کتاب الآثار مع التعلیق المختار، ص۷۷، مطبوعہ الرحیم اکیڈمی کراچی)

عطا بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آ کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا میں نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا تم گندگی میں ملوث ہو جاتے ہو پھر ہمارے پاس آتے ہو۔ جاؤ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم پر حرام ہو گئی تاوقتیکہ تمہارے علاوہ کسی مرد سے نکاح نہ کر لے۔ امام محمد فرماتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور تمام لوگوں کا مذہب ہے۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۱۸۔ عن محمد بن ایاس البکیر قال طلق رجل امرأة ثلاثاً قبل ان یدخل بها ثم بداله ان ینکحها فجاء یستفتی فذهبت معه اسال له فسأل اباهریرة وعبدالله بن عباس عن ذالک فقالا لانری تنکحها حتی تنکح زوجاً

غیرک قال انما کان طلاقی ایاها واحدة فقال ابن عباس انک ارسلت من یدک ما کان لک من فصل. (السنن الکبریٰ، ج۷،ص۳۳۵،وفتح القدیر، ج۳،ص۳۳۰)

محمد بن ایاس بن البکیر روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو صحبت سے پہلے ہی اکٹھی تین طلاقیں دے دیں پھر اس کی نیت ہوئی کہ اسی عورت سے دوبارہ نکاح کرلے تو وہ فتویٰ پوچھنے کے لیے آیا، میں اس کے ساتھ گیا کہ اس کے واسطے حکم شرعی معلوم کروں اس نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مسئلہ پوچھا، دونوں حضرات نے فرمایا ہمارے نزدیک تم اس سے نکاح نہیں کرسکتے تاوقتیکہ وہ تمھارے علاوہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے۔ اس شخص نے کہا میرا اسے طلاق دینا تو ایک ہی (تلفظ سے) تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا تو نے انت طالق کہہ کر خود اپنے ہاتھوں اپنی گنجائش ختم کردی۔

۱۹۔ **عن عمرو بن دینار ان ابن عباس سئل عن رجل طلق امرأته عدد النجوم فقال انما یکفیک راس الجوزاء** (السنن الکبریٰ، ج۷،ص۳۳۷)

عمرو ابن دینار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو ستاروں کی تعداد کی مقدار طلاق دے دی تھی تو آپؓ نے فرمایا تمھارے لیے راس الجوزاء یعنی تین طلاقیں کافی تھیں۔

آثار حضرت عبداللہ بن عمرؓ

۲۰۔ **عن نافع کان ابن عمرؓ اذا سئل عمن طلق ثلاثاً قال لو طلقت مرة او مرتین فان النبی ﷺ امرنی بهذا فان طلقتها ثلاثاً حرمت علیک حتی تنکح زوجا غیره.** (رواہ البخاری تعلیقاً عن اللیث بن سعد، ج۲،ص۷۹۲، ومسلم شریف ج۱،ص۴۷۶)

نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص تین طلاقیں دے کر حضرت ابن عمرؓ سے فتویٰ پوچھتا تو وہ فرماتے اگر تم نے ایک یا دو بار طلاق دی ہوتی تو رجعت کرسکتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اسی کا حکم دیا تھا اور اگر تم نے تین طلاقیں دے دی ہیں تو وہ تم پر حرام ہوگئی تاوقتیکہ دوسرے سے نکاح نہ کرلے۔

مسلم میں یہ الفاظ مزید ہیں کہ "**وعصیت الله فی ما امرک من طلاق امرأتک**" اور تم نے اللہ کی حکم عدولی کی اپنی عورت کے طلاق دینے میں جس سے ظاہر یہی ہے کہ یہ بیک کلمہ تین طلاقوں کا حکم بیان کررہے ہیں۔

۲۱۔ **عن نافع ابن عمرؓ قال اذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل ان یدخل بها ثم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره** (السنن الکبریٰ، ج۷،ص۳۳۵)

نافعؒ روایت کرتے ہیں کہ مرد جب اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے پہلے تین طلاقیں دے دیتا تو حضرت ابن عمر فرماتے عورت اس کے لیے حلال نہیں ہوگی جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرلے۔

۲۲۔ **عن نافعؒ ان رجلاً سأل ابن عمرؓ فقال انی طلقت امرأتی ثلاثاً وهی حائض فقال عصبت ربک وفارقت امرأتک.** (السنن الکبریٰ، ج۷،ص۳۳۶)

نافعؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابن عمرؓ سے فتویٰ پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو بحالتِ حیض تین طلاقیں دے دی ہیں تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہوگئی۔

۲۳۔ **عن نافعؒ قال قال ابن عمرؓ من طلق امرأته ثلاثاً فقد عصی ربه وبانت منه امرأته.** (الجوہر النقی علی سنن الکبریٰ، ج۷،ص۳۲۸)

نافعؒ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے فرمایا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے جدا ہوگئی۔

۲۴۔ **حدثنا سعید المقبری قال جاء رجل الی عبدالله بن عمرؓ وانا عنده فقال یا ابا عبدالرحمن انه طلق امرأته مائة مرة قال بانت منک بثلاث وسبعة و تسعون یحاسبک الله بها یوم القیامه.** (مصنف عبدالرزاق، ج۵،ص۱۴)

سعید المقبریؒ کہتے ہیں کہ میں ابن عمر کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن (عبداللہ ابن عمرؓ کی کنیت) اس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ آپؓ نے فرمایا تین سے وہ تم سے جدا ہوگئی اور ستانوے طلاقوں پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھ سے محاسبہ کرے گا۔

آثار اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

۲۵۔ **عن محمد بن ایاسؓ بن البکیر عن ابی هریرةؓ وابن عباسؓ وعائشہؓ**

وعبدالله ابن عمرؓو ابن العاص سئلوا عن البكر يطلقها زوجها ثلاثاً فكلهم قالوا لاتحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج۵، ص۲۳)

محمد ابن ایاسؒ سے روایت ہے کہ ابوہریرہؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، عائشہؓ اور عبداللہ ابن عمرؓو ابن العاصؓ سے اس عورت کے بارے میں جسے اس کے شوہر نے صحبت سے پہلے طلاق دے دی ہو پوچھا گیا تو ان چاروں حضرات نے فرمایا وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے۔

۲۶۔ عن رجل من الانصار يقال له معاويةؓ ان ابن عباسؓ وابا هريرةؓ وعائشةؓ قالوا لاتحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج۵، ص۲۲) معاویہ انصاری کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ، ابوہریرہؓ اور عائشہ صدیقہؓ نے (اس عورت کے متعلق جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں) فرمایا وہ حلال نہیں ہوگی تاوقتیکہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرلے۔

فتاویٰ حضرت عبداللہ بن عمرؓو بن العاصؓ

۲۷۔ ان عطاء بن يسارؒ قال جاء رجل يستفتي عبد الله بن عمرو بن العاص عن رجل طلق امرأته ثلاثاً قبل ان يمسها فقال عطا فقلت انما طلاق البكر واحدة فقال لي عبدالله بن عمرؓ انما انت قاص الوحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره۔ (السنن الکبریٰ، ج۷، ص۳۳۵)

عطاء ابن یسارؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اس مرد کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو صحبت سے پہلے طلاق دے دی حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص سے فتویٰ معلوم کیا۔ عطا کہتے ہیں کہ ''میں نے کہا غیر مدخولہ کی تو ایک ہی طلاق ہے'' تو حضرت عبداللہ ابن عمرؓو نے فرمایا تم صرف قصہ گو ہو غیر مدخولہ ایک طلاق سے بائن اور تین طلاقوں سے حرام ہوجائے گی یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرلے یعنی ایک طلاق سے اس کا نکاح ختم ہوجائے گا البتہ اگر عورت راضی ہوتو عدت کے بعد دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے اور تین طلاق کے بعد اس طرح جدا ہوگی کہ جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرلے اور یہ دوسرا شوہر اس سے لطف اندوز نہ ہولے پہلے کے لیے حلال نہ ہوگی۔

فتویٰ حضرت ابوہریرہؓ

۲۸۔ عن معاويةؓ بن ابي عياش الانصاري انه كان جالس مع عبدالله بن الزبير و عاصم بن عمر رضى الله عنهما قال فجاء هما محمد بن اياس بن البكير فقال ان رجل من اهل البادية طلق امراته ثلاثاً قبل ان يدخل بها فماذا ترايان فقال ابن الزبير هذا الامر مالنا فيه قول اذهب الى ابن عباس و ابي هريرة فاني تركتهما عند عائشة رضى الله عنها ثم ائتنا فاخبرنا فذهب فسالهما قال ابن عباسؓ لابي هريرة افته يا ابا هريرة فقد جاء تك معضلة فقال ابوهريرة الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره وقال ابن عباسؓ مثل ذلك۔ (السنن الکبریٰ، ج۷، ص۳۳۵)

معاویہؒ ابن ابی عیاش انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ ابن زبیر اور عاصم ابن عمرؓ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ محمد ابن ایاسؓ آگئے اور کہا کہ ایک دیہاتی نے اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے تین طلاقیں دے دی ہیں، آپؓ دونوں حضرات اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟ عبداللہ ابن زبیرؓ نے فرمایا اس مسئلہ کا علم ہمیں نہیں ہے۔ تم عبداللہ ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ کے پاس جاؤ وہ دونوں حضرات حضرت عائشہ صدیقہؓ کے یہاں ہیں اور دونوں حضرات جو مسئلہ بتائیں اسے ہمیں بھی بتادینا۔ محمد ابن ایاسؓ ان دونوں حضرات کے پاس گئے اور ان سے معلوم کیا تو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے حضرت ابوہریرہؓ سے کہا کہ ایک مشکل مسئلہ پیش آگیا ہے، آپ ہی اس کے بارے میں فتویٰ دیں تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا ایک طلاق تو عورت کو بائن کردے گی اور تین طلاقیں اسے حرام کردیں گی یہاں تک کہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے بھی یہی فتویٰ دیا۔

اثر حضرت زید ابن ثابتؓ

۲۹۔ عن الحكم ان عليا وابن مسعود و زيد بن ثابت رضى الله عنهم اجمعين قالوا اذا طلق البكر ثلاثاً فجمعها لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره۔ (مصنف عبدالرزاق، ج۶، ص۳۳۶)

حکم سے روایت ہے کہ حضرت علی عبداللہ ابن مسعود اور حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین نے فرمایا کہ غیر مدخولہ کو جب اکٹھی تین طلاقیں دی گئیں تو وہ شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے۔ (یہ اثر بحوالہ سنن سعید ابن منصور حضرت علیؓ کے آثار کے تحت مذکور ہو چکا ہے)

اثر حضرت انس بن مالکؓ

۳۰ حدثنا سعید نا ابو عوانه عن شفیق عن انس ابن مالکؓ فی من طلق امرأته ثلاثاً قبل ان یدخل بها قال لاتحل له حتی تنکح زوجاً غیره و کان عمرؓ اذا اتی برجل طلق امرأته ثلاثاً اوجع ظهره. (سنن سعید ابن منصور، القسم الاول من المجلد الثالث، ص ۲۶۰، رقم الحدیث ۱۰۷۳ و قال المحدث الاعظمی واخرجه الطحاوی عن صالح بن عبدالرحمن عن المصنف، ج ۲، ص ۳۴)

شقیق روایت کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو صحبت سے پہلے طلاق دی، فتوی دیتے تھے کہ وہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے اور فرماتے تھے کہ حضرت عمرؓ کے پاس جب ایسا شخص لایا جاتا جس نے اکٹھی تین طلاقیں دی ہوں تو وہ اس کی پشت پر دُرّے مارتے تھے۔

اثر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ

۳۱۔ عن جابرؓ قال سمعت ام سلمه سئلت عن رجل طلق امراته ثلاثاً قبل ان یدخل بها فقالت لاتحل له یطاها زوجها. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج۵، ص۲۲)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اس شخص کے متعلق جس نے صحبت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تھی میں نے حضرت ام سلمہؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اب اس کے شوہر کے لیے حلال نہیں کہ اس کے ساتھ ہم بستر ہو۔

اثر حضرت عمران بن حصینؓ و ابوموسیٰ اشعریؓ

۳۲. اخبرنا حمید بن واقع بن سحبان ان رجلاً اتی عمران ابن حصینؓ

وهو فی المسجد فقال رجل طلق امرأته ثلاثا وهو فی مجلس قال اثم بربه (یعنی اثم بمعصیة ربه) وحرمت علیه امرأته قال فانطلق الرجل فذکر ذلک لابی موسیٰ اشعریؓ یرید بذلک عیبه فقال الاتری ان عمر ان ابن حصین قال کذا و کذا فقال ابوموسیٰ اکثر الله فینا مثل ابی نجید. (السنن الکبری، ج۷، ص ۳۳۲)

حمید ابن واقع نے خبر دی کہ ایک شخص حضرت عمرانؓ ابن حصینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ وہ مسجد میں تھے اور اس نے کہا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک مجلس تین طلاقیں دے دی ہیں، حضرت عمرانؓ نے فرمایا وہ اپنے رب کی نافرمانی کی بنا پر گنہگار ہوا اور اس کی عورت اس پر حرام ہوگئی، یہ شخص ان کے پاس سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی خدمت میں آیا اور بطور شکایت کے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عمرانؓ نے یہ کیسا فتوی دیا ہے، یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے (حضرت عمرانؓ کی تصویب کرتے ہوئے) فرمایا ہمارے اندر ابونجید عمرانؓ ابن حصینؓ جیسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ کثرت فرمائیں۔

اثر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ

۳۳. عن طارق بن عبدالرحمن قال سمعت قیس بن ابی حازم قال سأل رجل المغیرة ابن شعبة و انا شاهد عن رجل طلق امرأته مائة قال ثلاثاً تحرم و سبع تسعون فضل. (السنن الکبری، ج۷، ص ۳۳۶)

طارق ابن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے قیس ابی ابن حازمؓ کو بیان کرتے سنا کہ ایک شخص نے حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ سے میری موجودگی میں سوال کیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ حضرت مغیرہؓ نے فرمایا تین طلاقوں نے حرام کر دیا اور ستانوے فاضل و رائیگاں ہیں۔

یہ پندرہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار و فتاوی ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ان حضرات کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں اور کسی ایک صحابی سے بھی ان فتووں کے خلاف کوئی روایت ذخیرہ احادیث میں موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی اس بات کا مدعی ہے کہ ان فتووں کے خلاف بھی روایتیں حضرات صحابہؓ سے

منقول ہیں تو وہ کتب حدیث سے ایسی چند صحیح روایتیں پیش کردے۔ (ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین)

بے جا جسارت

ایک غیر مقلّد عالم جو اپنی جماعت میں اہمیت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، حضرات صحابہؓ کے ان فتووں کی شرعی حیثیت کو مخدوش بنانے کی نازیبا جسارت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ایک مجلس میں اگر کسی نے تین طلاق دے دی تو اسے ایک ہی طلاق تصور کریں گے جہاں تک حضرت عمر فاروقؓ کے اختیار کردہ طریق کار کا تعلق ہے تو انھوں نے بطور تعزیر ایک آرڈیننس جاری کر کے فرمایا تھا کہ اگر کسی نے تین طلاق اپنی بیوی کو بیک وقت دے دی تو تین طلاق کا اطلاق ہو جائے گا، خلیفہ ثانی نے نص شرعی پر مصلحت شرعی کو ترجیح دی تھی۔ ویسے حضرت عمر فاروقؓ کے اس طریق کار کو اس وقت کے عام مسلمانوں نے تسلیم نہیں کیا، صرف تیرہ افراد نے اس کو تسلیم کیا تھا، اور وہ سبھی خلیفہ وقت کے گورنر تھے۔''

(روزنامہ ''اخبار مشرق'' کلکتہ، ۱۶ ستمبر ۱۹۹۳ء

موصوف نے اپنی اس غیر ذمہ دارانہ بلکہ مجرمانہ تحریر میں چار دعوے کیے ہیں:

الف: ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی متصور ہوں گی۔

ب: حضرت فاروقِ اعظمؓ کا تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کا فیصلہ شرعی نہیں بلکہ بطور سزا کے سرکاری آرڈیننس تھا۔

ج: تمام صحابہؓ نے ان کے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا تھا، صرف ان کے تیرہ گورنروں نے اس کو تسلیم کیا تھا۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ موصوف صرف دعویٰ پر دعویٰ کرتے چلے گئے ہیں اور کسی بھی دعویٰ پر کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ علم و تحقیق کی دنیا میں ایسے دعووں کی کیا حیثیت ہے اہل نظر خوب جانتے ہیں:

الف: اوپر دلائل سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن، صحیح احادیث اور آثار صحابہؓ بھی ناطق ہیں

کہ تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔

ب: گذشتہ سطور میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حوالے سے یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ خلفائے راشدین نے اپنے عہدِ خلافت میں عقائد، عبادات، معاملات، مناکحت وغیرہ سے متعلق جو احکام صادر فرمائے ہیں از روئے قرآن و حدیث ان کی حیثیت شرعی فتووں کی ہے۔

ج: حضرت عمرؓ کے اس شرعی فیصلے کو تسلیم نہ کرنے والوں میں سے موصوف زیادہ نہیں صرف دس کے نام صحیح و مستند حوالوں سے پیش کردیں تاکہ ان کے دعویٰ کی صداقت ثابت ہو جائے۔ وادعوا شهداء كم ان كنتم صادقين. الآية

د: جن تیرہ گورنروں نے حضرت فاروق اعظمؓ کے اس فیصلے کو تسلیم کیا تھا ان کے نام بتائے جائیں۔ علامہ شبلی مرحوم نے الفاروق میں عہدِ فاروقی کے درج ذیل والیوں (گورنروں) کا ذکر کیا ہے:

(۱) ابوعبیدہؓ بن الجراح (۲) یزید بن ابوسفیانؓ (۳) معاویہؓ بن ابی سفیانؓ۔ یہ تینوں حضرات یکے بعد دیگرے شام کی گورنری پر فائز رہے۔ (۴) عمرو بن عاصؓ (مصر) (۵) سعد بن ابی وقاصؓ (کوفہ) (۶) عتبہ بن غزوانؓ (بصرہ) (۷) ابوموسیٰ اشعریؓ (بصرہ) (۸) عتاب بن اسیدؓ (مکہ معظمہ) (۹) نافع بن عبدالحارثؓ (۱۰) خالد بن العاص (یہ دونوں حضرات بھی مکہ معظمہ کے گورنر رہے) (۱۱) عثمان بن ابی العاص (طائف) (۱۲) یعلی بن امیہؓ (۱۳) علاء بن الحضرمی (یہ دونوں حضرات یکے بعد دیگرے یمن کے گورنر مقرر ہوئے) (۱۴) عیاض بن غنمؓ (جزیرہ) (۱۵) عمرو بن سعد (حمص) (۱۶) حذیفہ بن یمانؓ (۱۷) نافع بن عبدالحارثؓ (یہ دونوں بالترتیب مدائن کی گورنری پر فائز رہے)

علامہ شبلی مرحوم کی بیان کردہ فہرست میں بعہد فاروقی یہ سترہ حضرات منصب ولایت (گورنری) پر فائز رہے۔ اوپر جن حضرات صحابہؓ کے آثار نقل کیے گئے ہیں ان میں بجز حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے کسی کا بھی نام اس فہرست میں نہیں ہے جس سے موصوف کے دعوے کا مبنی بر افترا جھوٹ اور غلط ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اس طرح کے بے بنیاد دعووں کا مبنی بر افترا جھوٹ اور غلط ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اس طرح کے بے بنیاد دعووں سے رُسوائی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں، پھر ان کی اس تحریر کا یہ پہلو کس قدر اذیت ناک ہے کہ جس فاروق

اعظمؓ کے متعلق زبانِ رسالت کی یہ شہادت ہے (**ان اللہ جعل الحق علی لسان عمرؓ و قلبہ یقول بہ**) اسی ترجمان حق وصداقت کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ اس نے اپنی حکمتِ عملی اور پولیٹکس پر حکمِ شرعی کو بھینٹ چڑھا دیا اور وہ حضرات صحابہؓ جن کی راست بازی واتباعِ حق پر خود کتاب الٰہی شاہد ہے (**اولٓئک ھم الصادقون حقا**) انھیں کے متعلق یہ افواہ پھیلائی جارہی ہے کہ حکومت کے زیرِ اثر اور حاکم وقت کی رعایت میں ان مقدس بزرگوں نے کتاب وسنت کو نظر انداز کردیا۔ (واللہ ہذا بہتان عظیم)

موصوف جس بات کو آج دُہرا رہے ہیں آج سے نصف صدی پہلے انھیں جیسے ایک بے باک صاحبِ قلم نے حضرت فاروق اعظمؓ کے اس فیصلے کے بارے میں اسی جیسے ناشائستہ کلمات لکھنے کی جسارت کی تھی جس کی تردید میں جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) کے ایک تبحر ونامور عالم مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی) نے ایک مضمون سپردِ قلم کیا تھا جس میں وہ لکھتے ہیں، حضرت عمرؓ کی نسبت یہ تصور دلانا کہ انھوں نے (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدل ڈالا بہت بھاری جرأت ہے۔ واللہ اس عبارت کو نقل کرتے وقت ہمارا دل دہل گیا اور حیرانی طاری ہوگئی کہ ایک شخص جو خود مسئلے کی حقیقت کو نہیں سمجھا وہ خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ خیال رکھتا ہے کہ وہ سنت کے بدلنے میں اس قدر جری تھا کہ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ، چند سطروں کے بعد مولانا سیالکوٹی لکھتے ہیں:

"یہ نہ سوچا کہ اگر حضرات شیعہ کسی وقت آپ کا یہ پرچہ پیش کرکے سوال کو پلٹ کر یوں کہہ دیں کہ آپ کے خلیفہ نے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدل ڈالا، سنتِ صدیقی کے بھی خلاف کیا اور خود بھی دو تین سال تک اسی سنتِ مستمرہ پر عمل کرتے رہے پھر اپنے بھی خلاف کیا اور ان زمانوں میں جس قدر صحابہؓ تھے ان سب کے خلاف کیا گویا خلافِ قرآن کیا، خلافِ حدیث کیا اور خلافِ اجماعِ صحابہؓ کیا، ان تین دلیلوں کے بعد آپ کے پاس کون سی دلیل تھی جس سے آپ کو ان کے خلاف کرنا جائز ہوا یا تو دلیل لایئے یا خلیفہ کی مداخلت فی الدین اور معاذ اللہ تحریف وتبدیل دین مانئے۔ تو اس کے جواب میں کیا کہہ سکیں گے؟ اللہ اکبر اہل سنت واہل حدیث ہوکر اور خلافت

فاروقی کو حق مان کر اس قدر جرأت اعاذنا اللہ منہا۔

(اخبار اہل حدیث، ۱۵/نومبر ۱۹۲۹ء، بحوالہ الازہار المربوعہ ص ۱۳۲-۱۳۳)

موصوف نے عرض کیا ہے کہ اپنی ہی جماعت کے پیشرو وتبحر ونامور عالم دین کی اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور نصیحت حاصل کریں کیونکہ یہ خود ان کے گھر کی بات ہے، جس کے مان لینے میں کوئی عار نہیں۔ (والحق احق ان یتبع)

(۳) اجماع

قرآن وحدیث کے بعد شریعتِ اسلامی کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ عہدِ فاروقی میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس بات پر اجماع ہوچکا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ ذیل میں اس اجماع کے ثبوت میں محققین فقہاء ومحدثین کے اقوال ملاحظہ ہوں:

۱۔ محقق حافظ محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام الحنفی لکھتے ہیں:

وذھب جمھور الصحابہ والتابعین و من بعدھم من ائمہ المسلمین الی انہ یقع ثلاث۔ (فتح القدیر، ج۳، ص۳۳۰)

جمہور صحابہ کرام اور تابعین اور بعد کے ائمہ مسلمین کا یہی مذہب ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسی پر اجماع ہے۔

فاجماعھم ظاھر فانہ لم ینقل عن احد منھم انہ خالف عمر رضی اللہ عنہ حین امضی الثلاث لہ (فتح القدیر، ج۳، ص۳۳۰) حضرات صحابہ کا اجماع ظاہر ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کہ تین طلاقیں تین ہیں، کسی صحابی سے مخالفت منقول نہیں۔

۲۔ علامہ بدرالدین العینی الحنفی لکھتے ہیں:

ومذھب جماھیر العلماء من التابعین ومن بعدھم منھم الاوزاعی والنخعی والثوری وابو حنیفۃ واصحابہ ومالک واصحابہ والشافعی واصحابہ واحمد واصحابہ واسحاق وابوثور وابوعبید واخرون کثیرون علی من طلق امرأتہ ثلاثاً وقعن ولکنہ باثم وقالوا من خالف فیہ

فهو شاذ مخالف لاهل السنة وانما تعلق به اهل البدع ومن لا يلتفت اليه لشذوذه من الجماعةله.

(عمدۃ القاری باب من اجاز طلاق الثلاث، ج۲۰، ص۲۳۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

تابعین اوران کے بعد کے جمہور علماء جن میں امام اوزاعی، امام نخعی، امام ثوری، امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب، امام مالک اوران کے اصحاب، امام شافعی اوران کے اصحاب، امام احمد اوران کے اصحاب، امام اسحاق بن راہویہ، امام ثور، امام ابوعبید رحمہم اللہ وغیرہ دیگر بہت سارے ائمہ کا یہی مذہب ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ البتہ اس طرح طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔ جمہور کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں جس نے مخالفت کی وہ شاذ اور مخالف اہل سنت ہے اس نے اس مسئلے میں اہل بدعت اور ایسے لوگوں کی پیروی کی ہے جو جماعت مسلمین سے کٹ جانے کی وجہ سے قابل التفات نہیں ہیں۔

۳۔ مفسر محمد الامین بن محمد المختار الشنقیطی اپنی تفسیر میں محدث ابن العربی المالکی کا بیان نقل کرتے ہیں:

وغوى قوم من اهل المسائل فتبعوا الاهواء المبتدعة فيه وقالوا ان قول انت طالق ثلاثاً كذب لانه لم يطلق ثلاثاً كما لو قال طلقت ثلاثاً ولم يطلق الا واحدة--- ولقد طوفت في الافاق والقيت من علماء الاسلام و ارباب المذاهب فما سمعت لهذه المسئله بخبر ولا اجسسنت لها باثر الا الشيعه الذين يرون نكاح المتعة جائز او لا يرون الطلاق واقعاً --- وقد اتفق علماء الاسلام وارباب الحل والعقد في الاحكام على ان الطلاق الثلاث في كلمة وان كان حراماً في قول بعضهم وبدعة في قول الآخرين لازم--- ومانسبوه الى الصحابة كذب بحت لا اصل له في كتاب ولارواية له عن احد. (اضواء البیان بحذف یسیر، ج۱، ص۱۳۶)

اہل مسائل میں سے ایک قوم بھٹک گئی اور اس مسئلہ میں بدعتیوں کی ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہوئے وہ کہتی ہے کہ انت طالق ثلاثا (تجھ پر تین طلاق ہے) جھوٹ ہے کہ اس نے تین طلاقیں نہیں دی ہیں جس طرح سے اس کا یہ کہنا غلط ہے کہ طلقت ثلاثا (میں نے تین طلاقیں دیں) حالانکہ اس نے ایک طلاق دی ہے--- میں نے اطراف عالم کی

خوب سیر کی اور علماء اسلام وارباب مذاہب سے ملاقاتیں کیں اس مسئلہ سے متعلق میں نے نہ کوئی خبر سنی اور نہ کسی اثر کا مجھے علم ہوا۔ البتہ صرف شیعہ متعہ کو جائز اور تین طلاقوں کو غیر واقع کہتے ہیں--- جب کہ علماء اسلام اور معتمد فقہائے امت متفق ہیں کہ ایک کلمہ کی تین طلاقیں (اگرچہ بعض کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک بدعت ہیں) لازم ہیں اور جن لوگوں نے اس قسم کی تین طلاقوں کے واقع نہ ہونے کے قول کو صحابہ کی جانب منسوب کیا ہے ان کا یہ نرا جھوٹ ہے اس کی کوئی اصل کسی کتاب میں نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے کوئی روایت ہے۔

۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی المالکی لکھتے ہیں:

قال علماء نا واتفق ائمة الفتوى على لزوم ايقاع الثلاث في كلمة واحدة وهو قول جمهور السلف وشذ طاؤس وبعض اهل الظاهر الى ان طلاق الثلاث في كلمة واحدة يقع واحدة ويروى هذا عن محمد بن اسحاق والحجاج بن ارطاة وقيل عنهما لايلزم منه شي وهو قول مقاتل ويحكى عن داود انه قال لايقع والمشهور عن الحجاج ان ارطاة وجمهور السلف والائمة انه لازم واقع ثلاثاً ولافرق بين ان يوقع ثلاثاً مجتمعة في كلمة او متفرقة في كلمات۔ (الجامع الاحکام القرآن، ج۳، ص۱۲۹)

ہمارے علماء کا قول ہے کہ مالکی ائمہ فتاویٰ متفق ہیں کہ ایک کلمہ کی تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی اور اسی کے جمہور سلف قائل ہیں۔ طاؤس اور بعض اہل ظاہر اس قول شاذ کے قائل ہیں کہ ایک کلمہ کی تین طلاقیں ایک ہوں گی۔ محمد ابن اسحاق امام مغازی اور حجاج بن ارطاۃ کی جانب بھی اس قول کو منسوب کیا گیا ہے اور ان دونوں کی جانب یہ بھی منسوب ہے کہ ایک طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔ یہی مقاتل کا قول ہے اور امام داؤد ظاہری کی جانب بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے اور مشہور روایت حجاج بن ارطاۃ سے اور جمہور سے یہی ہے کہ تین ہی لازم ہوں گی۔

۵۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن الشرف النووی الشافعی لکھتے ہیں:

وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته انت طالق ثلاثاً فقال الشافعي ومالك و ابوحنيفه واحمد و جماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث۔ (شرح مسلم، ج۱، ص۴۷۸)

جس شخص نے اپنی بیوی کو کہا تجھ پر تین طلاق ہے، اس بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ امام شافعی، مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور جمہور سلف وخلف رحمہم اللہ کا مذہب ہے کہ اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

۶۔ امام حافظ ابن حجر عسقلانی جمہور کے مذہب کی تائید کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

فالراجح فی الموضعین تحریم المتعة وایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عهد عمر رضی الله عنه علی ذلک ولا یحفظ ان احداً فی عهد عمر خالفه فی واحد منهما وقد دلّ اجماعهم علی وجود الناسخ وان کان خفی عن بعضهم قبل ذلک حتی ظهر لجمیعهم فی عهد عمر فالمخالف بعد هذا الاجماع منابذ له والجمهور علی عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق. (فتح الباری ج۹، ص۳۱۹ بحوالہ اعلاء السنن، ج۱۱، ص۱۵۰)

پس راجح ان دونوں قضیوں، میں متعہ کا حرام ہونا اور اکٹھی تین طلاقوں کا تین ہونا ہی ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کسی نے ان دونوں مسئلوں میں اختلاف کیا ہو صحیح روایت سے ثابت نہیں اور حضراتِ صحابہؓ کا اجماع بذاتِ خود ناسخ کے وجود کو بتا رہا ہے اگرچہ یہ ناسخ اجماع سے پہلے بعض حضرات پر مخفی رہا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سب پر روشن ہو گیا لہٰذا اس اجماع کے بعد اس کی مخالفت کرنے والا اجماع کو پس پشت ڈالنے والا ہے اور جمہور کا اتفاق ہے کہ کسی مسئلہ پر اتفاق و اجماع ہو جانے کے بعد اس میں اختلاف پیدا کرنے والے کا قول غیر معتبر اور مردود ہے۔

۷۔ حافظ ابن القیم الحنبلی لکھتے ہیں کہ امام ابوالحسن علی بن عبداللہ بن ابراہیم المشطی نے الوثائق الکبیرہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو اپنے موضوع پر بے مثل ہے اس میں امام موصوف نے لکھا ہے:

الجمهور من العلماء علی انه یلزمه الثلاث وبه القضاء وعلیه الفتوی وهو الحق الذی لاشک فیه. (اغاثه اللهفان، ج۱، ص۳۲۶) جمہور علما اس پر متفق ہیں کہ اس پر تین طلاقیں لازم ہیں یہی فیصلہ ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے اور بلا ریب یہی حق ہے۔

۸۔ علامہ ابن رجب الحنبلی تلمیذ رشید حافظ ابن القیم اپنی کتاب مشکل الاحادیث

الواردة فی ان الطلاق الثلاث واحدة میں لکھتے ہیں:

اعلم انه لم یثبت عن احد من الصحابة ولا من التابعین ولا من ائمة السلف المعتمد بقولهم فی الفتاوی فی الحلال والحرام شی صریح فی ان الطلاق الثلاث بعد الدخول یحتسب واحدة اذا سبق بلفظ واحد (الاشفاق علی احکام الطلاق ص۳۵ مطبوعه مصر و سیر الحاث فی علم الطلاق، ص۷۷، لیوسف بن عبد الرحمن ابن الهادی الحنبلی بحواله مجله البحوث الاسلامیه، ج۱، عدد۳، ۱۳۹۷ هجری، الریاض، المملکة العربیه السعودیه.

یہ بات جان لو! کہ صحابہ، تابعین اور ائمہ سلف جن کا قول در بارۂ حلال و حرام معتبر مانا جاتا ہے کسی سے بھی بصراحت یہ ثابت نہیں ہے کہ صحبت کے بعد کی تین طلاقیں جو ایک لفظ سے دی گئی ہوں ایک شمار ہوں گی۔

۹۔ علامہ ابن تیمیہ کے جد امجد ابوالبرکات مجد الدین عبدالسلام الملقب بابن تیمیہ الحنبلی اپنی مشہور کتاب منتقی الاخبار میں ''**باب ماجاء فی طلاق البتة وجمع الثلاث وتفریقها**'' میں احادیث و آثار نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وهذا کله یدل علی اجماعهم علی صحة وقوع الثلاث بالکلمة الواحدة. (منتقی الاخبار، ص۲۳۷) یعنی یہ احادیث، آثار دلالت کرتے ہیں کہ ایک کلمہ سے تین طلاقوں کے واقع ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے۔ حافظ ابوالبرکات حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کی اس واضح صراحت کے بالمقابل حافظ ابن القیم لکھتے ہیں کہ:

ان شیخنا حکی عن جده ابی البرکات انه یفتی بذالک احیانا سرا

یعنی ہمارے شیخ امام ابن تیمیہ نے اپنے دادا حافظ ابوالبرکات کے بارے میں یہ بتایا کہ وہ اپنی کتاب میں درج اپنے مسلک کے برخلاف کبھی کبھی پوشیدہ طور پر ایک مجلس کی تین طلاقوں کے بارے میں ایک ہونے کا فتویٰ دے دیتے تھے۔ حافظ ابن القیم اور ان کے شیخ حافظ ابن تیمیہ کی علمی جلالت شان کے اعتراف اور ان کی نقل پر اعتماد کے باوجود ہم یہ بات ماننے کے لیے قطعی طور پر تیار نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ابن تیمیہ اپنے دادا کے جس رویہ کی اطلاع دے رہے ہیں وہ کسی سچے پکے مومن کا نہیں ہو سکتا بلکہ یہ وطیرہ تو ان بزدلوں کا ہے جن کی قرآن و حدیث میں کثرت سے مذمت آئی ہے۔

حافظ ابن الہمام، حافظ ابن حجر عسقلانی محدث ابوبکر ابن العربی، شیخ ابوالبرکات ابن تیمیہ کے علاوہ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں ابوبکر جصاص رازی احکام القرآن میں امام ابوالولید الباجی "المنتقی" میں ابن رجب مشکل الاحادیث الواردہ میں ابن الہادی سیر الحاث فی علم الطلاق میں امام زرقانی شرح موطا میں، علامہ ابن التین شرح بخاری میں، علامہ ابن حزم ظاہری المحلی میں، امام خطابی شرح سنن ابی داؤد میں اور حافظ ابن عبدالبر تمہید واستذکار میں بصراحت لکھتے ہیں کہ عہد فاروقی میں صحابہ کا اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہے۔ بغرض اختصار ان حضرات کی عبارتیں اس موقع پر حذف کر دی گئی ہیں اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "**ان اهل السنة والجماعة متفقون على ان اجماع الصحابة حجة**" (اہل سنت والجماعت متفق ہیں کہ صحابہ کرام کا اجماع حجت ہے) (فتح الباری ج ۱۳، ص ۲۶۶)

خود علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ مشائخ علم اور ائمہ دین کسی مسئلہ پر اجماع کر لیں تو ان کا اجماع واتفاق حجۃ قاطعہ ہوگا۔ (الواسطہ ص ۴۷، بحوالہ عمدۃ الاثاث، ص ۴۴) اور حافظ ابن القیم زاد المعاد میں بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفائے راشدین کے عمل کے بعد کسی اور کی بات قابل تسلیم ہی نہیں۔ (الواسطہ، ص ۴۷ بحوالہ عمدۃ الاثاث، ص ۴۴) اور یہ بات ثابت اور محقق ہے کہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی مانتے ہیں۔ اس لیے ان کے مقابلے میں کسی کی بات قابل تسلیم نہیں ہونی چاہیے۔

اوپر کی نقول سے مدلل طور پر یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ عہد فاروقی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اس پر اجماع بھی ہو چکا ہے۔ اپنے آپ کو اہل السنّت والجماعت کے زمرہ میں شمار کرنے والوں کے لیے کسی اعتبار سے بھی درست نہیں ہے کہ وہ اس اجماعی مسئلہ کو چھوڑ کر زید و بکر کے شاذ قول پر عمل کریں جس سے نہ صرف ایک حجۃ شرعیہ کا ترک لازم آ رہا ہے بلکہ بعض اہل بدع کے ساتھ مشابہت بھی ہو رہی ہے۔

جو لوگ اس اجماع کو غیر ثابت باور کرانے کے لیے ابوجعفر احمد بن محمد بن مغیث "طلی المتوفی ۴۵۹ھ کی "کتاب الوثائق" سے یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت علی، . الرحمٰن بن عوف، زبیر بن العوام، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم مجلس حد کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے تھے۔ انھیں سوچنا چاہیے کہ سطور بالا میں مذکورہ اکابر

حدیث ماہرین فقہ اور ائمہ مسلمین کی ثبوت اجماع پر ان تصریحات کے مقابلے میں بیچارے ابن مغیث الطلیطلی کی اس روایت کی کیا حیثیت ہے؟ جب کہ خود ابن مغیث کا علم و فہم او نقل روایت میں ان کی امانت اور کردار کی پختگی علمائے رجال کے نزدیک غیر معروف ہے۔ (ابن مغیث کے متعلق القواصم والعواصم میں محدث ابن العربی کا نقد و تبصرہ دیکھا جائے)

علاوہ ازیں ابن مغیث نے یہ روایت محمد بن وضاح کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ چنانچہ وہ خود اس کی صراحت بایں الفاظ کرتے ہیں "**روینا ذلک کله من ابن وضاح**" یہ ساری باتیں ہم نے ابن وضاح سے لی ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن القرطبی، ص ۱۳۲، ج ۳)

حالانکہ ان کے اور ابن وضاح کے درمیان صدیوں کا طویل فاصلہ ہے اس لمبے فاصلے کو کن وسائط و ذرائع سے طے کر کے وہ ابن وضاح تک پہنچے اس کی تفصیل ندارد ہے اس لیے یہ بے سند روایت اصول روایت کے مطابق لائق اعتبار نہیں ہو سکتی۔

اگر راوی اور روایت کی ان خامیوں سے صرف نظر کر کے ابن وضاح کی جانب یہ نسبت درست مان لی جائے تو خود مدار روایت یعنی محمد بن وضاح اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی باتیں آنکھ بند کر کے تسلیم کر لی جائیں۔ اس لیے کہ الحافظ ابوالولید الفرضی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

انه كان جاهلاً بالفقه وبالعربية ينفي كثيراً من الاحاديث الصحيحه فمثله يكون بمنزلة العامي وان كثرت روايته' (الاشفاق بحواله اعلاء السنن ج ۱۱، ص ۱۶۷) ابن وضاح فقہ و عربیت سے ناواقف تھے۔ اکثر صحیح حدیثوں کی بھی نفی کر دیتے تھے۔ اس طرح کا آدمی عوام الناس میں شمار ہوگا اگرچہ اس کی روایت زیادہ ہوں۔

فن روایت کی یہ ایسی خامیاں ہیں جن کی وجہ سے روایت کی صحت مخدوش ہو جاتی ہے اور وہ اس قابل نہیں بچتی کہ ارباب علم و فن اس کی جانب متوجہ ہوں چنانچہ الحافظ الفرضی لکھتے ہیں: "**والاشتغال برائي هذا الطلبطلي وذاك المجريطي من المهملين شغل من لاشغل عنده**" (اعلاء السنن ج ۱۱، ص ۱۶۷ بحوالہ الاشفاق) یہ طلیطلی اور مجریطی ایسے بے کار لوگ ہیں کہ ان کی باتوں میں وہ مشغول ہوگا جس کے پاس اور کوئی کام نہ ہو۔

ان باتوں سے قطع نظر حضرات صحابہ کے آثار و اقوال کے قابل اعتماد ماخذ کتب حدیث مثلاً صحاح ستہ اور دیگر سنن، جوامع مسانید، معاجم، مصنفات وغیرہ ہیں جن میں

صحابہ کرام کی جانب منسوب ہر بات کو سند کے ساتھ نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔اور ان مستند ماخذوں سے ایسی ایک روایت بھی صحیح سند کے ساتھ پیش نہیں کی جاسکتی جس سے یہ ثابت ہو کہ مذکورہ حضرات یعنی علی مرتضیٰ، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن العوام، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے مدخول بہا (جس کے ساتھ ہم بستری ہو چکی ہو) کو مجلس واحد میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا ہے، بلکہ اس کے برعکس ان میں سے اکثر سے معتبر سندوں سے ثابت ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہیں اور بقیہ حضرات سے اس کے خلاف کوئی روایت نہیں ہے، تفصیل گذر چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن القیم جو اپنے شیخ علامہ احمد بن تیمیہ کی محبت وحمایت میں ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے تین طلاقوں کو ایک ثابت کرنے پر مصر ہیں، ابن مغیث کی مذکورہ بالا روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فقد صح بلاشک عن ابن مسعود و علی و ابن عباس الالزام بالثلاث لمن اوقعها جملة وصح عن ابن عباس انه جعلها واحدة ولم نقف علی نقل صحیح عن غیرهم من الصحابة بذالک الخ" (اغاثۃ اللہفان، ج ۱، ص ۳۲۹-۳۳۰) بغیر کسی شک وشبہ کے صحیح طور پر ثابت ہے کہ عبداللہ بن مسعود، علی اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے اکٹھی تین طلاقیں دینے والے پر تین ہی لازم کیا ہے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح طور پر یہ بھی ثابت ہے کہ انھوں نے تین کو ایک قرار دیا ہے، اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات صحابہ سے ہم کسی نقل صحیح پر آگاہ نہیں ہو سکے۔ موصوف کا فریب علم ہے ورنہ حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی مدخول بہا کی تین طلاقیں تین ہی ہونا ثابت ہے۔ اس کے برخلاف ان سے کوئی روایت نہیں ہے۔ تفصیل آئندہ معلوم ہو جائے گی۔ گویا ابن القیم نے ابن مغیث کی بیان کردہ روایت کی خود تردید کردی کہ صحیح نقل سے یہ ثابت نہیں ہے بلکہ اس کا برعکس ثابت ہے۔ اس تردید کے باوجود علامہ ابن تیمیہ وابن القیم کے مقلدین ابن مغیث کی قائم کردہ بے سروپا اور فرسودہ لکیر پیٹتے جارہے ہیں۔

اسی طرح اس ثابت شدہ اجماع کو کالعدم بتانے کے لیے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو اس اجماع کے محرک اور نافذ کرنے والے تھے بعد میں اپنے اس فیصلے سے رجوع کر لیا تھا، علماء غیر مقلدین کے علاوہ شیعہ مجتہد اور بعض دوسرے

لوگوں نے اس موضوع سے متعلق اپنی تحریروں میں یہ بات دہرائی ہے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی یہ زحمت گوارہ نہیں کی کہ جس روایت کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جارہا ہے اسے سند کے ساتھ پیش کر دیتے تاکہ اس روایت سے استدلال کی حقیقت آشکارا ہو جاتی، شاید عصر جدید کے ان جدید محققین کے نزدیک کسی دعویٰ کے ثبوت پر "روایت ہے یا مروی ہے" کا لفظ لکھ دینا کافی ہے۔ دوسروں پر تقلید اور روایت پرستی کی پھبتی کسنے والوں کا یہ رویہ خود انھیں منہ چڑھا رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس روایت کے سہارے رجوع کی یہ بات اُڑائی جارہی ہے وہ اس حیثیت کی ہے ہی نہیں کہ اس سے دعویٰ رجوع پر استدلال کیا جاسکے۔ شاید روایت کی اسی کمزوری کی بنا پر دانستہ اسے نقل کرنے سے احتراز کیا گیا ہے اور صرف "روایت ہے" کہہ کر بات چلتا کردی گئی ہے۔ ذیل میں ہم اس روایت کو اور اس کی سند پر علمائے جرح و تعدیل کے نقد کو نقل کررہے ہیں:

حافظ ابوبکر اسماعیلی مسند عمر میں روایت کرتے ہیں:

اخبرنا ابویعلی حدثنا صالح بن مالک حدثنا خالد بن یزید بن ابی مالک (یہ بات ملحوظ رہے کہ یزید اپنے والد کے بجائے دادا کی جانب منسوب ہیں، ان کے والد عبدالرحمٰن بن ابی مالک ہیں) **عن ابیه قال قال عمر ماندمت علی شی ندامتی علی ثلاث ان لا اکون حرمت الطلاق وعلی ان اکون انکحت الموالی وعلی ان لا اکون قتلت النوائح.**

حافظ ابوبکر کہتے ہیں کہ مجھے ابویعلی نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے صالح بن مالک نے بیان کیا، صالح کہتے ہیں کہ مجھ سے خالد بن یزید نے اپنے والد کے حوالے سے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی چیز پر نادم نہیں ہوا اپنی تین باتوں پر ندامت کی طرح ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے طلاق کو حرام کیوں نہیں کردیا۔ الخ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مقولہ کے راوی خالد کے والد یزید کے بارے میں علمائے رجال نے تصریح کی ہے کہ ان کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ اس لیے لامحالہ انھوں نے حضرت عمر کا یہ قول کسی واسطہ سے سنا ہوگا جس کا یہاں ذکر نہیں، اس لیے اس روایت میں انقطاع ہے، علاوہ ازیں امام ذہبی نے میزان الاعتدال

میں لکھا ہے کہ یزید بن ابی مالک مدلس تھے، یعنی اپنی روایت کی اہمیت بڑھانے کی غرض سے اپنے استاذ کا نام لینے کے بجائے استاذ کے استاذ کا نام لیتے تھے۔ حافظ بن حجر نے بھی "تعریف اہل التقدیس بالموصوفین بالتدلیس" میں امام ابومسہر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یزید بن ابی مالک مدلس تھے اور یزید بن ابی مالک جیسے مدلس کی مرسل و منقطع روایت کسی کے نزدیک قابل حجت نہیں۔

دوسری کمزوری یہ ہے کہ خالد بن یزید اکثر علمائے جرح کے نزدیک ضعیف ہیں۔ چنانچہ امام اہل جرح وتعدیل ابن معین نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں "لیس بشئی" "یہ محض ہیچ ہے۔ امام نسائی نے فرمایا کہ یہ ثقہ نہیں ہے۔ امام ابوداؤد نے ایک مرتبہ انھیں ضعیف بتایا اور ایک مرتبہ فرمایا کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ علامہ بن جارود، امام ساجی اور حافظ عقیلی نے خالد کا ذکر ضعفاء کے تحت کیا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ خالد اگرچہ روایت کرنے میں سچے تھے، لیکن بیان روایت میں اکثر غلطی کر جاتے تھے اس لیے مجھے ان کی روایت سے استدلال پسند نہیں ہے۔ بالخصوص جب یہ اپنے والد یزید بن ابی مالک سے تنہا کوئی روایت نقل کریں۔ امام جرح یحیٰ بن معین نے غالباً اسی مذکورہ بالا روایت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "**لم یرض ان یکذب علی ابیہ حتی کذب علی اصحاب رسول اللہ** ﷺ" یعنی خالد نے تنہا اپنے والد پر جھوٹ بولنے میں بس نہیں کیا بلکہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کذب بیانی کی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳، ص ۱۰۹، ومجلۃ البحوث الاسلامیہ الریاض، ج ۱، ص ۱۰۸، عدد ۳، ۱۳۹۷ھ)

جس راوی کی ارباب جرح وتعدیل کے نزدیک یہ حیثیت ہو اس کی روایت کس درجہ کی ہوگی اہل علم و دانش اسے خوب جانتے ہیں "عیاں راچہ بیاں" پھر اس روایت میں ندامت کا ذکر ہے رجوع کرنے کا نہیں اس لیے ندامت کا معنی رجوع کے لینا ایجاد بندہ سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔

یہ ہے اس روایت کی حقیقت جس کی بنیاد پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اپنے فیصلے سے رجوع کر لینے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے اور ظاہر ہے "جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا"

ایک جدید محقق جو ایک درسگاہ کے اہم استاذ اور ایک علمی جریدہ کے ایڈیٹر ہیں، نے یہ

عجیب تحقیق پیش کی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو بجز تیرہ اصحابؓ کے کسی صحابی نے تسلیم نہیں کیا تھا اور یہ سب کے سب خلیفہ وقت کے گورنر تھے۔

موصوف نے اپنے اس دعویٰ پر کوئی ثبوت نہیں دیا ہے جبکہ علم و تحقیق کی دنیا میں نرے دعوے سے کام نہیں چلتا اور دعویٰ بے ثبوت مدعی کے منہ پر مار دیا جاتا ہے۔ پوری علمی ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ موصوف کا یہ دعویٰ یکسر غلط اور حضرات صحابہؓ کی کردار کشی پر مبنی ہے۔ حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ام سلمہ، حضرت حسن بن علی مرتضیٰ وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جو آثار و فتاوے کتب حدیث میں صحیح سندوں کے ساتھ موجود ہیں وہ سب کے سب حضرت فاروق اعظم کے فیصلہ کے مطابق و موافق ہیں۔ کیا یہ سب حضرات خلیفہ وقت کے گورنر تھے؟

موصوف اپنی اس مبنی برافتراء بات سے عام لوگوں کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ان تیرہ حضرات نے محض اپنے منصب گورنری کی رعایت میں خلیفہ وقت کے اس فیصلہ کو مان لیا تھا۔ خدائے علام الغیوب تو صحابہؓ کے بارے میں فرماتا ہے کہ وہ اظہار حق میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے۔ اور ہمارا آج کا محقق یہ انکشاف کر رہا ہے کہ اپنی گورنری کی رعایت میں ان تیرہ حضرات نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو خلاف حق سمجھتے ہوئے بھی تسلیم کر لیا۔ گویا موصوف حضرات صحابہ کو اپنے اور اپنے عہد کے دنیا دار منصب داروں کی صف میں شامل کرنا چاہتے ہیں جنھیں اپنے عہدوں کے مقابلے میں حق و ناحق کی کچھ بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ واقعہ یہ ہے کہ جس کے دل میں اصحاب رسول کا ادنیٰ درجے کا بھی احترام ہوگا اس کے زبان و قلم سے ان کے بارے میں ایسی نازیبا بات نہیں نکل سکتی۔ اس طرح کے جھوٹے اور من گھڑت الزام تو حضرات صحابہؓ پر روافض ہی عائد کرتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ایک غلط بات کو صحیح باور کرانے کے لیے اہل حدیث اور اہل سنت ہونے کے مدعی بھی ایسی غلط بات کہنے لگے ہیں۔ "فالی اللہ المشتکیٰ" صحیح اور سچی بات تو یہ ہے کہ بغیر کسی اختلاف کے تمام صحابہ کرامؓ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو دیانتاً قبول کیا تھا اور اپنے اسی فیصلے پر وہ تادم حیات قائم رہے اس کے خلاف صحیح سند کے ساتھ کسی ایک صحابی کا قول و عمل پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے جمہور کا یہ دعویٰ کہ ایک

مجلس کی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر عہد فاروقی میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع ہو چکا ہے، ہر تردد اور شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ اور حضرات صحابہؓ کے بارے میں علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ **فانهم اعرف الناس بكتاب الله وبرسوله واعلمهم بمعاني السنة ومقاصد الشرع** حضرات صحابہؓ قرآن اور صاحبِ قرآن کی معرفت میں سب سے فائق ہیں اور احادیث کے معانی اور مقاصد شریعت کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ لہٰذا مسئلہ زیرِ بحث میں ان کے اجماع کے بعد کسی قیل وقال کی قطعاً گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، مسئلہ کی اسی قطعیت کی بنا پر محقق ابن ہمام لکھتے ہیں:

''**لو حكم حاكم بان الثلاث بفم واحد واحدة لم ينفذ حكمه لانه لايسوغ الاجتهاد فيه فهو خلاف لا اختلاف**'' (فتح القدیر، ج ۳، ص ۳۳۰) اگر کوئی قاضی یہ فیصلہ کر دے کہ ایک تلفظ کی تین طلاقیں ایک ہوں گی تو اس کا یہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا کیونکہ اس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے قاضی کا یہ فیصلہ اختلاف نہیں بلکہ مخالفت کے قبیل سے ہوگا، جس کا اعتبار نہیں ہوتا۔

ہم نے اختصار کے ساتھ قرآن حکیم کی تین آیات، دس احادیثِ رسولؐ، تقریباً ۳۳ آثارِ صحابہؓ اور عہدِ فاروقی میں اس مسئلے پر اجماع کے ثبوت میں مستند اکابر فقہاء ومحدثین کے نقول پیش کر دیے ہیں جن سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں از روئے شرع تین ہی ہوتی ہیں۔ تمام صحابہؓ جمہور تابعین، ائمہ اربعہ، اکثر محدثین اور ننانوے فیصد سلف وخلف اسی کے قائل ہیں۔ ایک منصف مزاج طالبِ حق کے لیے یہ دلائل کافی ووافی ہیں اور نہ ماننے والوں کے واسطے اس دنیا میں کوئی بھی دلیل باعثِ طمانیت اور رہنما نہیں ہو سکتی۔

اب آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تین کو ایک بتانے والوں کے دلائل پر بھی نظر ڈالی جائے تاکہ تصویر کے دونوں رُخ سامنے آ جائیں اور صحیح نتیجے تک پہنچنے میں آسانی ہو۔

(وبضدها تتبين الاشياء)

مخالف دلائل پر ایک نظر

جو لوگ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے ہیں وہ دلیل کے طور پر دو حدیثیں

پیش کرتے ہیں۔ ایک حدیثِ طاؤس اور دوسری حدیثِ رکانہ۔ بہ روایت داؤد بن الحصین عن عکرمہؒ اور یہ دونوں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی مرویات سے ہیں۔

حدیث طاؤس:

امام مسلم نے اس حدیث کو جن الفاظ میں روایت کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

(الف) عن ابن طاؤس عن ابيه عن ابن عباس قال كانت الطلاق على عهد رسول الله ﷺ و ابى بكر و سنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قداستعجلوا فى امر كانت لهم اناة فلو امضيناه عليهم فامضاه عليهم.

(ب) اخبرنى ابن طاؤس عن ابيه ان ابا الصهباء قال لابن عباسؓ اتعلم انما كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد النبى ﷺ وابى بكر و ثلاثاً من امارة عمر فقال نعم.

(ج) عن ابراهيم بن ميسرة عن طاؤس ان ابا الصهباء قال لابن عباس هات هناتك الم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وابى بكر واحدة فقال قد كان ذلك فلما كان فى عهد عمر تتابع الناس فى الطلاق فاجازه عليهم. (مسلم، ج ۱، ص ۴۷۷ و ۴۷۸)

امام ابوداؤد نے بھی سنن میں اس کی تخریج کی ہے جو ان الفاظ میں ہے:

(د) عن ايوب عن غير واحد عن طاؤس ان رجلاً كان يقال ابو الصهباء كان كثير السوال لابن عباس قال اما علمت ان الرجل كان اذا طلق امرأته ثلاثاً قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وابى بكر وصدرا امارة عمر قال ابن عباس بلى كان الرجل اذا طلق امرأته ثلاثاً قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة۔ (ابوداؤد، ج ۲، ص ۲۹۹)

اس روایت کو امام حاکم نے بھی المستدرک میں روایت کیا ہے لیکن یہ اپنے راوی عبداللہ بن المومل کے منکر الحدیث ہونے اور دیگر کمزوریوں کی بنا پر ساقط الاعتبار ہے۔ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اور حضرت ابو بکرؓ کے عہد نیز حضرت عمرؓ کے ابتدائی ایامِ خلافت میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں نے طلاق دینے میں جلد بازی شروع کر دی ہے جبکہ انھیں اس معاملے میں غور وفکر کا موقع حاصل تھا۔ ہم کیوں نہ ان کی طلاقوں کو ان پر نافذ کر دیں تو حضرت عمرؓ نے ان پر تین ہی نافذ کر دیں، تین طلاقوں کو ایک ماننے والے کہتے ہیں کہ اس روایت سے ظاہر ہے کہ اصل سنت جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں عمل ہوتا رہا اور اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے دورِ زرّیں میں نیز حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو تین سالوں میں بھی یہی معمول رہا کہ تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھی۔ لہٰذا یہی قابل اتباع ہے۔

جمہور محدثین وفقہا کہتے ہیں کہ یہ روایت بہ چند وجوہ قابل استدلال نہیں ہے۔

(۱) سب سے پہلے روایت کے خط کشیدہ الفاظ پر نظر ڈالیے۔ پہلی روایت میں طاؤس براہ راست حضرت ابن عباسؓ سے ان کا قول نقل کر رہے ہیں جبکہ دوسری اور تیسری روایت میں ابوالصہباء بحیثیت سائل کے دونوں کے درمیان میں آگئے ہیں اس لیے ذہن میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ طاؤس اس روایت کو بواسطہ ابوالصہباء روایت کرتے ہیں یا ابوالصہباء کے سوال کے وقت خود مجلس میں حاضر تھے۔ روایت میں ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کی تعیین کے بارے میں کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ہے۔ مزید براں دوسری روایت میں طاؤس کہتے ہیں ''ان ابا الصہباء'' یہ لفظ انقطاع پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) پہلی روایت میں حضرت فاروق اعظمؓ کے عہدِ خلافت کے دو برسوں کا ذکر ہے۔ دوسری میں تین برسوں کا تذکرہ ہے اور تیسری میں دو یا تین کسی کا بھی ذکر نہیں ہے۔

(۳) پہلی روایت میں ''طلاق الثلاث واحدۃ'' جملہ خبریہ ہے جبکہ دوسری میں استفہام اقراری ہے۔ ابوالصہباء بہ ضمن استفہام نفی ابن عباس کو اطلاع دے رہے ہیں جس کی ابن عباسؓ تصدیق کر رہے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں پہلے سے کوئی بات چل رہی تھی جس پر بطور الزام ابوالصہباء نے کہا ''الم تعلم انما کانت الثلاث تجعل واحدۃ الخ''

(۴) مسلم کے طریق سے جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بات مدخولہ و

غیر مدخولہ دونوں قسم کی عورتوں کی طلاق کے بارے میں کہی گئی اور ابوداؤد کی روایت میں یہ بات غیر مدخولہ کی طلاق کے متعلق کہی گئی اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب ایک ہی حکم میں (جب کہ اس کا سبب ایک ہو) ایک نص مطلق اور دوسری مقید ہو تو مطلق مقید پر محمول ہوتا ہے۔

(۵) تیسری روایت میں سائل ابوالصہباء حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہہ رہے ہیں کہ ''ہات ہناتک'' یعنی اپنی نادر غریب اور نرالی باتوں میں سے بتائیے کہ کیا تین طلاقیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کے زمانے میں ایک نہ تھیں؟ جب کہ پہلی دوسری روایت میں سوال کا یہ جزء ندارد ہے۔ نیز ابوداؤد کی روایت میں بھی یہ ٹکڑا نہیں ہے۔ روایت کا یہ جزء صاف بتا رہا ہے کہ سائل اور مسئول (پوچھنے اور جواب دینے والے) دونوں کو اعتراف ہے کہ یہ ایک نادر اور شاذ بات ہے۔

(۱) الفاظ کے اس اختلاف و اضطراب کی بناء پر امام قرطبی کا فیصلہ ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔ (فتح الباری، ج۹، ص۲۹۲)

نیز اس اختلاف واضطراب سے ظاہر ہو رہا ہے کہ راوی اسے اچھی طرح ضبط و حفظ نہیں کر سکا۔

(۲) روایت کے استحضار اور حفظ واتقان میں یہ کمی بتا رہی ہے کہ راوی سے روایت کرنے میں چوک ہوئی ہے اسی لیے مشہور محدث حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

و روایۃ طاؤس وھم و غلط لم یعرج علیھا عھد من فقھاء الامصار بالحجاز والشام والعراق والمشرق والمغرب.

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ج۳، ص۱۲۹)

طاؤس کی روایت وہم وغلط ہے، حجاز، شام، عراق اور مشرق ومغرب کے فقہاء امصار میں سے کسی نے اس پر اعتماد نہیں کیا ہے۔

(۳) پھر اس روایت کے اصل راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور ان کے اکثر شاگردوں نے ان سے یہی نقل کیا ہے کہ وہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔ چنانچہ سعید بن جبیرؒ عطاء بن رباحؒ، مجاہد بن جبیرؒ، عمرو بن دینارؒ، مالک بن الحارثؒ، محمد بن ایاسؒ، معاویہؒ بن ابی عیاشؒ، یہ سب کے سب ان سے یہی

نقل کرتے ہیں کہ وہ اکٹھی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے تھے۔ چنانچہ آثار صحابہؓ کے تحت اکثر تلامذہ ابن عباسؓ کی روایتیں گذر چکی ہیں۔ نیز امام بیہقی اور امام ابوداؤد نے اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے ظاہر ہوا کہ اس روایت میں طاؤس منفرد ہیں اور دوسرے ثقہ راویوں کے خلاف ہیں اور اس طرح کی روایت اصولِ محدثین میں شاذ کہلاتی ہے جو قابل استدلال نہیں ہوتی۔ اسی بنا پر امام احمد نے اس روایت کو رد کر دیا۔ علامہ جمال الدین ابن عبدالہادی لکھتے ہیں:

قال الاثرم سالت ابا عبدالله (یعنی امام احمد بن حنبل) عن حدیث ابن عباسؓ کانت الطلاق الثلاث علی عهد رسول الله ﷺ وابی بکر و عمرؓ واحدة بای شئی تدفعه فقال بروایت الناس عن بن عباس انها ثلاث. (الاشفاق، ص ۳۶)

"اثرم کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کے بارے میں پوچھا، آپؒ نے اسے کیوں ترک کر دیا تو انھوں نے جواب میں فرمایا اس لیے کہ سب لوگ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ یکجائی تین طلاقوں کو تین ہی مانتے ہیں۔"

صاحب الجرح والتعدیل امام الجوزجانی بھی یہی کہتے ہیں (**هو حدیث شاذ وقد عنیت بهذا الحدیث فی قدیم الدهر فلم اجد له اصلاً**) (الاشفاق ص ۴۸)

"طاؤس کی روایت شاذ ہے، میں زمانہ دراز تک اس کی تحقیق میں لگا رہا مگر مجھے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ملی۔" خود حدیث کے الفاظ "ہات ہناتک" بتا رہے ہیں کہ ابوالصہباء کو اعتراف تھا کہ یہ بات شاذ و نادر ہے جسے حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اگر یہ بات عہدِ رسالت اور خلافتِ صدیقی میں معمول بہ ہوتی تو اسے شائع و ذائع ہونا چاہیے اور عام لوگوں کو معلوم ہونی چاہیے، کیونکہ یہ ایک عمومی حکم ہے۔ چنانچہ امام احمد بن عمر القرطبی المفہم شرح مسلم میں حدیث طاؤس پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وظاهر سیاقه یقتضی عن جمیعهم ان معظمهم کانوا یرون ذالک والعادة فی مثل هذا ان یفشو الحکم وینتشر فکیف ینفرد به واحد عن

واحد؟ فهذا الوجه یقتضی التوقف العمل بظاهره ان لم یقتض القطع ببطلانه. (اضواء البیان، ج ۱، ص ۱۶۹)

مطلب یہ ہے کہ جس حکم کو شائع و ذائع اور منتشر و معلوم ہونا چاہیے کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی شخص اس کی روایت کرے۔ اس لیے اگر راوی کا یہ تفرد اس کا مقتضی نہ ہو کہ قطعیت کے ساتھ اس روایت کو باطل قرار دیا جائے تو اس کا مقتضی ضرور ہے کہ اس کے ظاہری مفہوم پر عمل کرنے میں توقف کیا جائے۔

امام قرطبی کی اس بات کو اس مثال سے سمجھئے کہ اگر ایک شخص بیان کرے کہ آج جامع مسجد میں تمام حاضرین کے سامنے خطیب کو دورانِ خطبہ گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا، جبکہ سارے نمازی یا تو اس واقعہ کے بیان کرنے سے خاموش ہیں یا یہ بیان کر رہے ہوں کہ خطیب نے خطبہ دیا نماز پڑھائی پھر اپنے گھر آ کر لوگوں کی ضیافت کی، اس صورت میں ظاہر ہے کہ پہلے کی بات پر کوئی بھی اعتبار نہیں کرے گا، کیونکہ یہ شخص جس واقعہ کی خبر دے رہا ہے وہ عام مجمع کا واقعہ ہے، لہٰذا اس کی اطلاع سب کو ہونی چاہیے۔

پھر اس حدیث کے دوسرے اکیلے راوی طاؤس کا خود اپنا بیان ہے جسے الحسین بن علی الکرابیسی نے کتاب ادب القضاء میں روایت کیا ہے:

اخبرنا علی بن عبدالله (و هو ابن المدینی) عن عبد الرزاق عن معمر عن ابن طاؤس عن طاؤس انه قال من حدثک عن طاؤس انه کان یری طلاق الثلاث واحدة کذبه (الاشفاق، ص ۴۸) یعنی طاؤس نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ تم سے جو شخص بیان کرے کہ طاؤس تین طلاقوں کو ایک سمجھتے تھے تم اس کی تکذیب کرنا، میری طرف اس کی نسبت غلط ہے۔

طاؤس کے اپنے اس بیان نے اس حدیث کی صحت کو مزید معرض خطر میں ڈال دیا۔ انھیں وجوہ قادحہ کی بنا پر حافظ ابن رجب الحنبلی لکھتے ہیں:

و صح عن ابن عباس و هو راوی الحدیث انه افتی بخلاف هذا الحدیث ولزوم الثلاثة المجموعة وقد علل بهذا احمد و الشافعی کما ذکره الموفق بن قدامه فی المغنی وهذه ایضاعلة فی الحدیث بانفرادها وقد انضم الیها

علة الشذوذ والانكار و اجماع الامة على خلافه. (الاشفاق، ص۴۸)

۶۔ امام بیہقی بسندہ امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں:

فان كان معنى قول ابن عباس ان الثلاث كانت تحسب على عهد رسول الله ﷺ واحدة يعني بامره صلى الله ﷺ فالذي يشبه والله اعلم ان يكون ابن عباس قد علم ان كان شيئا فنسخ فان قيل فما دل على ماوصفت قيل لايشبه ان يكون ابن عباس يروى عن رسول الله ﷺ شيئا ثم يخالفه بشئ لم يعلمه كان النبي ﷺ فيه خلاف. (السنن الکبریٰ، ج۷، ص۳۳۸)

یعنی امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بعید نہیں کہ یہ روایت جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے منسوخ ہو ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم انھیں معلوم ہو پھر بھی وہ اس کے خلاف فتویٰ دیتے رہیں۔ امام شافعیؒ کی اس رائے کو خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے تقویت پہنچتی ہے۔

عن ابن عباس والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء الخ وذالك ان الرجل كان اذا طلق امرأته فهوا حق برجعتها وان طلقها ثلاثاً فنسخ ذالك فقال الطلاق مرتان۔ (ابوداؤد، ج۱، ص۲۹۷) جس کا حاصل یہی ہے کہ پہلے تین طلاقوں کے بعد رجوع ہوسکتا تھا مگر بعد کو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ اہل حدیث کے رئیس نواب صدیق حسن خاں بھی لکھتے ہیں "مخالفت راوی از برائے مروی دلیل است برآنکہ راوی علم ناسخ دارد چہ حمل آں برسلامت واجب است۔" (دلیل الطالب، ص۴۷۶) راوی کی اپنی مروی سے مخالفت اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس اس کے منسوخ ہونے کا علم ہے کیونکہ راوی کو سلامتی پر محمول کرنا واجب ہے۔

اس کی نظیر نکاح متعہ کی وہ روایت ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ چنانچہ مسلم حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ (ان متعة النساء) كانت نفعل في عهد النبي ﷺ وابي بكر و صدرا من خلافة عمر "وقال في رواية ثم نهانا عمر عنها فانتهينا" یعنی ہم عورتوں سے متعہ کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور ابوبکر صدیق، اور عمر رضی اللہ عنہما کے ابتدائی خلافت میں پھر حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے ہمیں اس کام سے منع کردیا تو ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ لہٰذا جو لوگ نکاح متعہ کے نسخ کے معترف ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تاویل و توجیہ کرتے ہیں یہ کتنی عجیب بات ہے کہ وہی لوگ طاؤس والی روایت کو اس کے ظاہر پر محمول کرتے ہیں۔ جب کہ دونوں روایتیں مسلم ہی کی ہیں اور دونوں کے راوی دو جلیل القدر صحابی ہیں۔ اور دونوں ہی کا تعلق عورت کی حلت و حرمت سے ہے جس طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ نکاح متعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منسوخ ہوچکا تھا لیکن بعض لوگوں کو اس کا علم نہ ہوسکا اس لیے حسب سابق وہ متعہ کرتے رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے دور خلافت میں جب اس کا علم ہوا تو انھوں نے اس کے نسخ کا عام اعلان فرمایا۔ اسی طرح مسئلہ طلاق میں بھی یہی توجیہ کی جائے گی بلکہ یہی توجیہ متعین ہے۔

ان مذکورہ وجوہ سے یہ روایت ایک ایسے مسئلہ پر جس کا تعلق حلال وحرام سے ہے قطعاً قابل استدلال نہیں ہے۔ علاوہ ازیں بخاری میں مروی حدیث عائشہ صدیقہؓ جس میں "ان رجلاً طلق امرأته ثلاثاً" کے الفاظ ہیں جو احادیث رسولؐ کے عنوان کے تحت گذر چکی ہے، اس حدیث سے استدلال پر انکار کرتے ہوئے حافظ ابن القیم نے لکھا ہے:

"این فی الحدیث انه طلق الثلاث بفم واحد" اس حدیث میں یہ کہاں ہے کہ شخص مذکور نے بکلمة واحدة تین طلاقیں دی تھیں؟ بلکہ عرب وعجم کے محاورہ کے لحاظ سے تو یہ یکے بعد دیگرے طلاقوں پر دلالت کرتی ہے۔

یہی سوال حدیث ابن عباسؓ پر بھی عائد ہوتا ہے کیونکہ طلاق الثلاث اور طلق ثلاثاً دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ پھر ابوداؤد والی روایت میں تو بعینہٖ "طلق امرأته ثلاثاً" ہی کے الفاظ ہیں لہٰذا اگر حدیث عائشہ صدیقہؓ میں "ان الرجل طلق امرأته ثلاثاً" میں متفرق طلاقیں مراد ہیں تو حدیث ابن عباسؓ میں بھی "طلق امرأته ثلاثاً وطلاق الثلاث" سے طلاق متفرق ہی مراد ہوگی۔ حدیث عائشہ صدیقہؓ میں طلاق متفرق مراد لینا اور حدیث ابن عباسؓ میں طلاق مجموعی انصاف سے بعید اور خالص مصادرہ ہے۔ دونوں روایتوں کے الفاظ ایک ہیں تو دونوں کے معنی بھی ایک ہوں گے۔ اب اگر حدیث ابن عباسؓ میں طلق

امرأتہ ثلاثاً سے طلاق متفرق مراد لی جائے تو اس حدیث سے استدلال ہی نہیں ہوسکتا
کیونکہ استدلال کی بنیاد تو یکجائی تین طلاقوں پر ہے اور اگر دونوں حدیثوں میں طلق ثلاثاً
سے طلاق مجموعی مراد لی جائے جب بھی یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس
صورت میں حدیث عائشہ صدیقہؓ جو متفق علیہ ہے اور حدیث ابن عباسؓ میں تعارض ہوگا۔
اور حدیث ابن عباسؓ کی تخریج تنہا مسلم نے کی ہے جو متفق علیہ روایت کے مقابلے میں بہ
اتفاق محدثین مرجوح ہوگی۔ علاوہ ازیں قاضی اسماعیل احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ
"ان طاؤس مع فضلہ وصلاحہ یروی اشیاء منکرۃ منہ ھذا الحدیث"
طاؤس اپنے فضل و صلاح کے باوجود بہت سی منکر باتیں روایت کرتے ہیں جن میں یہ
روایت بھی ہے۔ اس لیے یہ منکر روایت حدیث متفق علیہ کے مقابلے میں کس طرح قابل
اعتبار ہوگی۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما پر مشہور صاحب درس و تصنیف اہل حدیث عالم مولانا
شرف الدین دہلوی نے فتاویٰ ثنائیہ میں بڑی محققانہ بحث کی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ اس
کے آخر میں لکھتے ہیں:

اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا کہ تین طلاقیں مجلس واحد کی محدثین کے
نزدیک ایک کے حکم میں ہے یہ مسلک صحابہؓ، تابعین و تبع تابعین وغیرہ ائمہ محدثین متقدمین
کا نہیں ہے۔ یہ مسلک سات سو سال بعد کے محدثین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتویٰ
کے پابند اور ان کے معتقد ہیں۔ یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی کے آخر یا اوائل
آٹھویں میں دیا تھا تو اس وقت کے علماء اسلام نے ان کی سخت مخالفت کی تھی۔ نواب
صدیق حسن خاں مرحوم "اتحاف النبلاء" میں جہاں شیخ الاسلام کے مسائل میں تفردات
لکھے ہیں وہیں اس فہرست میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ
نے تین طلاق کے ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا۔ شیخ الاسلام
اور ان کے شاگرد ابن القیم پر مصائب برپا ہوئے ان کو اونٹ پر سوار کر کے درّے مار مار کر
ہر میں پھرا کر توہین کی گئی۔ قید کیے گئے اس لیے کہ اس وقت یہ مسئلہ علامت روافض کی
ی۔ (ص ۳۱۸) اور "سبل السلام شرح بلوغ المرام" (مطبع فاروقی دہلی ج ۲، ص

۹۸) اور "التاج المکلل" (مصنفہ نواب صدیق حسن خاں صاحب ص ۲۸۶) میں ہے کہ
امام شمس الدین ذہبی باوجود شیخ الاسلام کے شاگرد اور معتقد ہونے کے اس مسئلہ میں سخت
مخالف تھے۔ (التاج المکلل ص ۲۸۸ و ۲۸۹) ہاں تو جبکہ متاخرین علمائے اہل حدیث اس
مسئلہ میں شیخ الاسلام سے متفق ہیں اور وہ اسی کو محدثین کا مسلک بتاتے ہیں اور مشہور کر دیا
گیا ہے کہ یہ مذہب محدثین کا ہے اور اس کا خلاف مذہب حنفیہ کا ہے اس لیے ہمارے
اصحاب فوراً اس کو تسلیم کر لیتے ہیں اور اس کے خلاف کو رد کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ فتویٰ یا
مذہب آٹھویں صدی ہجری میں وجود میں آیا ہے اور ائمہ اربعہ کی تقلید چوتھی صدی ہجری
میں رائج ہوئی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بریلوی لوگوں نے قبضہ غاصبانہ کر کے اپنے آپ کو
اہل سنت والجماعت مشہور کر دیا باوجودیکہ ان کا اسلام بھی خودساختہ ہے جو چودھویں صدی
ہجری میں بنایا گیا۔

**ولعل فیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ واللہ یھدی من یشاء الی الصراط
المستقیم یسئلونک احق ھو قل ای وربی انہ الحق (ابوسعید شرف
الدین) انتھی بلفظہ** (فتوی ثنائیہ، ج ۲، ص ۴۳ تا ۴۶ حوالہ عمدۃ الاثاث، ص ۱۰۳)

اس حدیث پر محدثین نے بہت زیادہ کلام کیا ہے۔ خود حافظ ابن حجر نے فتح الباری
شرح بخاری جلد ۹ میں اس حدیث کے آٹھ جوابات دیئے ہیں بغرض اختصار انھیں ترک کیا
جارہا ہے۔ بہرحال یہ حدیث شاذ، منکر، وہم وغلط منسوخ وخلاف اجماع ہونے کی بناپر لائق
استدلال نہیں ہے۔

۲۔ حدیث رکانہ رضی اللہ عنہ:

یہ حدیث مسند احمد میں اس سند کے ساتھ ہے:

**حدثنا سعد بن ابراھیم قال انبانا ابی عن محمد بن اسحاق قال
حدثنی داؤد بن الحصین عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انہ قال
طلق رکانۃ بن عبد یزید زوجتہ ثلاثا فی مجلس واحد الخ۔** احادیث رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذیل میں حضرت رکانہؓ کا واقعہ طلاق کو صحیح قابل وثوق طریقہ سے
بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے طلاق بتہ دی تھی۔ اس روایت کی پانچ

اکابر محدثین نے تصحیح کی ہے اور اس کے برعکس وہ روایتیں جس میں تین طلاقوں کا ذکر ہے محدثین کے نزدیک پائے اعتبار سے ساقط ہیں۔ پوری بحث گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ طلاق سے متعلق وہ روایتیں جن میں ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کا ذکر ہے معلول، ضعیف و منکر ہے۔ اس لیے قابل استدلال نہیں ہیں۔

پورے ذخیرۂ حدیث میں یہی دو روایتیں ہیں جن سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک بتانے والے استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ اصول محدثین کے اعتبار سے یہ دونوں حدیثیں مسئلہ زیر بحث پر استدلال کے قابل نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ دلائل کے نام پر یہ لوگ کچھ باتیں اور بھی کہتے ہیں لیکن درحقیقت وہ دلائل نہیں بلکہ از قبیل مغالطہ ہیں جن کی اصلیت معمولی غور و فکر سے سمجھی جا سکتی ہے۔ ان کے ذکر کرنے میں کوئی خاص فائدہ نہیں اس لیے اسی پر اس مضمون کو ختم کیا جا رہا ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين و الصلوٰة و السلام على رسوله محمد خاتم النبيين وعلى آله وصحبه اجمعين.



کمپوزنگ: نعمت کمپوزنگ ہاؤس، دہلی۔ فون 2480273